www.kitabmart.in

حکائیتیں وہدائیتیں

آیت اللہ شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ

شہید مطہری فاؤنڈیشن (پاکستان)
www.shaheedmutahhari.com

www.kitabmart.in

حکائیتیں و ہدائیتیں

بیادِ اُستاد شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہری رحمۃ اللہ علیہ

تالیف:

محمد جواد صاجبی

مترجم:

سید نجم الحسن تقوی

شہید مطہری فاونڈیشن لاہور پاکستان

نام کتاب: حکائیتیں و ہدائیتیں
مؤلف: محمد جواد صاجبی
مترجم: سید نجم الحسن نقوی
کمپوزنگ: انس کمیونیکیشن 0300-4271066
ناشر: معراج کمپنی لاہور
زیرِ اہتمام: ابوظہیر

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0321-4971214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

0333-5234311

فہرست

عَرضِ ناشر

ابتدا ہے رب کائنات کے نام سے جو ہمارے خالق و مالک ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں اور لاکھوں درود و سلام ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پر جو ہمارے رہبر و رہنما ہیں اور جن کی پیروی دنیا اور آخرت میں کامیابی کی کلی زمانت ہے۔

استاد مرتضیٰ مطہری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کاوش آپ کی خدمت میں پیش ہے جناب استاد شہید رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف محتاج نہیں۔ مذکورہ کتاب انتہائی درجہ کی اعلیٰ کتاب ہے جس میں پیش کی جانے والی حکایات محققین، مبلغین، روحانی پیشوا، طلباء اور ہر اس شخص کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے جو مطالعہ کرنے کو دوست رکھتا ہے۔

استاد مرتضیٰ شہید مطہری رحمۃ اللہ علیہ کے آثار و علمی افکار کی ترویج کے لئے ''شہید مطہری فاونڈیشن'' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس کا مقصد آپ کو استاد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے روشناس کرانا ہے اس سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے کام شروع کیا مگر کچھ ہی کتب کی اشاعت کے بعد ناگزیر وجوہات پر سلسلہ کار بند ہو گیا، مگر ہم پر اللہ نے رحمت کی کہ اس عظیم انسان کے افکار پر کام کرنے کا موقع اور توفیق عطا کی جب یہ کتاب تیار ہوئی ہے اس سے قبل الحمد اللہ ۳۵ کتب شائع ہو چکی ہیں اور تقریباً اتنی ہی کتابوں پر کام جاری ہے کچھ ترجمہ کے مراحل طے کر رہی ہیں اور کچھ کمپوزنگ اور دیگر مراحل میں ہیں۔ آج ہمیں آپ کی دعاؤں کی جس قدر ضرورت ہے شاید اس سے پہلے اتنی ضرورت نہیں رہی۔

ادارہ

عرض مترجم

کسی بھی زبان میں کوئی مفہوم پیش کیا جائے تو اس زبان کے اہل زبان ہی بہتر انداز میں بیان کر سکتے ہیں۔ لفظوں کا انتخاب اور اصطلاحات و روزمرہ محاوات و بول چال میں اسے ادا کیا جا سکتا ہے، جب کوئی اہل زبان بیان کر رہا ہو تو دیکھا جاتا ہے کہ اسے زبان پر کتنی قدرت حاصل ہے اور وہ اپنے مفہوم کو بیان کرنے کی کتنی اہلیت رکھتا ہے۔

جب کسی زبان کی کسی تحریر یا کسی اہل زبان کی تقریر کو کسی دوسری زبان میں پیش کرنا ہو تو مترجم خواہ جتنا بھی علم رکھتا ہو، اصل زبان کے ساتھ جتنی بھی واقفیت رکھتا ہو، جتنا بھی کہنہ مشق و مطالعہ کا شوقین ہو، اہل زبان کی سی چاشنی اور اثر آفرینی پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر زبان میں کوئی بات پیش کرنے کے لئے الفاظ و محاورات ہوتے ہیں، جو ضروری نہیں کہ کسی دوسری زبان کے مفہوم کو کما حقہ اور اسی سلاست و روانی سے پیش کر سکیں۔

جب کوئی بات کسی عالم ربانی اور روحانی مبلغ نے پیش ی وہ تو اسے کسی غیر عالم، دنیا دار کے لئے اسی روحانیت سے ترجمہ کے لباس میں پیش کرنا مزید دشوار ہو جاتا ہے۔

شہید محراب، استاد آیت اللہ مطہری رضوان اللہ علیہ کی تقاریر کو محمد جواد صاجی نے فارسی خوان قارئین کے لئے ''**حکایتها و هدایتها**'' کے نام سے پیش کیا، جسے ٹوٹی پھوٹی دہیاتی اردو میں پیش کر رہا ہوں، الفاظ کو نہیں مفہوم کو مدنظر رکھیں۔

ہر کلام سوائے کلام رحمٰن اور نمائندگان رحمٰن کے، اصلاح طلب ہے اور ترجمہ تو ہر وقت اصلاح و تزئین کا محتاج ہوتا ہے۔

نجم الحسن تقوی

عرض مدون

جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، استاد شہید آیت اللہ مطہری قدس سرہ کی تقاریر اور تالیفات میں سے کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ان سطور کے راقم اور اس مجموعہ کے ناظم نے مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھ کر ان کو جمع کیا ہے۔

ا۔ بکھری ہوئی حکایات و مطالب کو ربط دینا اور استاد مرحوم کی عبارات و اصلاحات کو ضبط تحریر میں لانا۔

۲۔ ان موارد کو دو جلدوں، داستان راداستان میں اکٹھا کیا اور تکرار کی پیش بندی کے لئے کچھ حصہ حذف کیا۔

۳۔ اگر چہ استاد شہید نے داستان راداستان کتاب میں کوئی نتیجہ نہ دیا اور قارئین پر فیصلہ چھوڑ دیا لیکن اس کا ایک اخلاقی اثر ہے۔ جبکہ حکایات کا مجموعہ حاضر ہے تو مختلف اسلامی مما لک میں اس مرحوم کے بے حد فکر و تحقیقی آثار موجود ہیں۔ اس مجموعہ پر بھی غور و خوض کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جب مصنف نے انہیں لکھا ہے تو اس سے پاک طینت اور نیک دلوں کے لئے کوئی نہ کوئی ہدایت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہم نے کوشش کی کہ نہ صرف روح وجان باقی رہے بلکہ امکان کی حد تک ان کے الفاظ وعبارت بھی سند رہے۔

۴۔ چونکہ استادشہید کی اکثر کتب، ان کی تقاریر کا مجموعہ ہیں اوران کی شہادت کے بعد، بغیر کسی نظم وضبط کے چھاپی گئیں، اس لئے تحریری اشکال واشتباہات اور املا کی درستی کی طرف توجہ دی گئی، تاکہ اس مجموعہ میں کم خامیاں رہ جائیں۔

کافی مدت، استادشہید مطہری کا مطالعہ کرنے کے بعد اس تالیف ومجموعہ کو پیش کرنے کی توفیق ہوئی۔ الحمدللہ کہ اس نے مجھے عالمان ربانی اور معلمان روحانی کی نگارشات کوجمع کرنے کی توفیق دی۔

محمد جوادصاجی قم

فصل اول

بچپن ہی سے عظیم

ابھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا نہیں ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد شام کی طرف تجارتی سفر کے دوران مدینہ میں فوت ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت اپنے ذمے لی۔ بچپن ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ورافت کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مہرہ اور گفتار و رفتار سے ظاہر تھے۔ عبدالمطلب نے اپنی فراست سے یہ سمجھ لیا تھا کہ میرا پوتا مستقبل میں چمکے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ سال کے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب فوت ہوگئے اور ان کی وصیت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت اپنے ذمے لی۔ ابو طالب علیہ السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات جو دوسرے بچوں کی طرح نہ تھیں دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عمر کے بچوں کی طرح کبھی کھانے کا لالچ کیا ہو بلکہ تھوڑی سی غذا پر اکتفا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہم عمر بچوں کی عادات کے برخلاف اپنے بالوں کو صاف ستھرا اور اپنا چہرہ مبارک کو دھوئے رکھتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ منہ دوسری طرف کریں تاکہ میں لباس اتار دوں۔ ابو طالب علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات پر حیران رہ گئے کیونکہ اس زمانے میں عرب میں بڑے لوگ بھی دوسروں کے سامنے اپنا جسم

ننگا کرنے سے نہیں جھجکتے تھے۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام کہتے تھے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں سنا، ناشائستہ کام اور فضول ہنستے نہیں دیکھا، بچوں کی طرح کھیلتے نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہائی اور خلوت کو پسند کرتے تھے۔ ہر حال میں منکسر المزاج تھے۔ [1]

میں جبر کرنے والوں میں سے نہیں

ایک روز ایک بدو عرب کسی ضرورت کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تو اس کی زبان میں لکنت آ گئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے چین ہو کر پوچھا کیا مجھے دیکھنے سے تیری زبان میں لکنت آ گئی ہے؟

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بغل میں لیا اور اس طرح بھینچا کہ اس کا بدن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن کے ساتھ لگ گیا۔ پھر فرمایا مطمئن ہو کس لئے ڈرتا ہے؟ میں جبر کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں اس عورت کا بیٹا ہوں جو اپنے ہاتھوں سے بکری دوھ لیتی تھی۔ تمہارے بھائی کی طرح ہوں تو جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ذرے یعنی انسان میں ایسی قدرت اور اہلیت نہیں ہو سکتی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کو اپنا سکے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی علیہ السلام کا مقام ہمارے خیالات و افکار سے بلند ہے۔ ہمیں سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ابی ذر رحمۃ اللہ علیہ عمار رحمۃ اللہ علیہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اور سیکڑوں دوسرے اسی طرح کے لوگوں کی پیروی کرنی چاہئے۔

رحم و محبت

ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے تھے، اپنے ایک بیٹے کو زانو پر بٹھا رکھا تھا، اسے بوسہ دے رہے تھے اور اس سے محبت کر رہے تھے۔ اسی دوران دورِ جہالت کا ایک بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا میرے دس بیٹے

---

[1] وحی و نبوت ص ۱۶۹ استاد شہید

ہیں اور ابھی تک میں نے اپنے کسی ایک بیٹے کو ایک بار بھی نہیں چوما۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے اتنا ناراض و بے چین ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، پھر فرمایا

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا **من لا یرحم لا یرحم** اس کے بعد فرمایا "اگر خدا نے تیرے دل سے رحم نکال دیا ہو تو میں کیا کروں"۔

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ نہیں

رسول خدا کی ایک زوجہ ماریہ قبطیہ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام ابراہیم رکھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ابھی یہ اٹھارہ ماہ کا تھا کہ فوت ہو گیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو رحم و محبت کی معدن تھے اس مصیبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، رو پڑے اور فرمایا اے ابراہیم میرا دل جلتا ہے اور آنکھ برستی ہے اور تیرے لئے غمگین ہیں، لیکن خدا کی رضا کے خلاف کچھ نہیں کہتے۔

تمام مسلمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غمگین دیکھ کر متاثر تھے۔ اتفاقاً اس دن سورج کو گہن بھی لگ گیا جسے دیکھ کر مسلمانوں نے یہ ظاہر کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم بالا اور عالم خاک دونوں پر تصرف رکھتے ہیں۔ اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کی وفات اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مغموم ہونے کی وجہ سے سورج کو گہن لگا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا زیر و زبر ہو جائے۔ اگرچہ سورج کو گہن لگنا طبعی حقیقت تھی لیکن جب لوگوں نے ان دو حادثات کو ایک دن دیکھا تو اس کے نتیجے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کا ایمان و اعتقاد پختہ ہو گیا۔

یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنی تو بجائے اس کے کہ اس تعبیر پر خوش ہوتے اور دنیاوی سیاستدانوں کی طرح اسے اپنی تبلیغ کے لئے غنیمت سمجھتے اور لوگوں کے ان احساسات سے اسلام کا فائدہ تلاش کرتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہ کیا مسجد میں تشریف لائے پھر منبر پر رونق افروز ہو کر لوگوں کو آگاہ کیا اور واضح کیا کہ سورج کو طبعی طور پر گہن لگا

ہے میرے بچے کی وجہ سے نہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہر گز نہیں چاہتے تھے کہ اسلام کی تبلیغ و ہدایت کے لئے بھی لوگوں کے کمزور ایمان اور جہالت سے فائدہ اٹھاتے بلکہ چاہتے تھے کہ لوگوں کے علم و معرفت کو بیدار کر کے حقیقت سمجھا کر فائدہ اٹھائیں کیونکہ قرآن نے ان کو حکم دیا ہے:

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ؕ

یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو حکمت و نصیحت سے اپنے پروردگار کی طرف دعوت کر۔ [1]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ لوگ اس طرح اچھا سمجھتے ہیں اس لئے میں خاموش ہو جاؤں، چونکہ ہدف بڑا ہے اس لئے وسیلہ جو بھی ہو، نہیں بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے اس گھٹیا منطق کو رد کیا۔ حتیٰ کہ اپنی خاموشی سے بھی انہیں فائدہ نہ اٹھانے دیا، کیونکہ اول تو اسلام کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں کہ لوگ اس قسم کے مسائل سے فائدہ اٹھائیں کہ ان کا دین و مکتب کوئی دلیل و منطق وغیرہ نہیں رکھتا اور ان کے دین کی حقانیت کے آثار روشن و واضح نہیں۔

دوسرے وہ لوگ جو اس قسم کے مسائل سے فائدہ اٹھاتے ہیں شک نہیں کرتے۔ مشہور ہے کہ سب لوگوں کو ہمیشہ جہالت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ کچھ عرصے کے بعد حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔

تیسرے، خدا پیغمبروں اور مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ حق کو حق سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، حق کو باطل سے ملا دینا حق کو ختم کرنا ہے۔

غصہ نہ کر

ایک اعرابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصیحت

---

[1] سورۂ النحل: ۱۲۵

چاہی۔رسول اکرم نے اس کے جواب میں ایک چھوٹا سا جملہ **لا تغضب** (غصہ نہ کر) فرمایا۔

اس آدمی نے اس پر قناعت کی اور اپنے قبیلے کی طرف لوٹا۔ اتفاقاً جب پہنچا تو ایک حادثہ کی وجہ سے اس کے قبیلے اور ایک دوسرے قبیلے میں جھگڑا ہو گیا، اس نے اپنی پرانی عادت اور قومی تعصب کے مطابق اپنے قبیلے کی حمایت میں ہتھیار زیب تن کئے اور اپنی قوم کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اسی دوارن اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا کہ غصہ نہ کر۔ پس اس نے غصہ کو تھوک دیا اور سوچنے لگا کہ دونوں گروہ بغیر کسی وجہ کے ایک دوسرے پر تلواریں کیوں اٹھائے ہوئے ہیں۔ دشمن کی صف کے نزدیک چلا گیا اور جو کچھ وہ دیت وغیرہ مانگتے تھے اپنے مال سے دینے کا کہا۔ دوسرے قبیلے نے جب اس کی مردانگی اور مروت دیکھی تو اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے۔ جھگڑا ختم ہو گیا اور جو آگ احساسات نے بھڑکائی تھی، عقل و منطق سے بجھ گئی۔

ایک نصیحت

ایک آدمی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔آپ نے فرمایا اگر میں تجھے نصیحت کروں تو کیا تو اس پر عمل کرے گا؟ اس نے کہا "ہاں" تین بار یہ سوال و جواب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے مابین ہوئے۔ ہر مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا اگر میں نصیحت کروں تو کیا عمل کرے گا؟ اس نے ہر بار جواب میں کہا ہاں میں عمل کروں گا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پکا عہد لے لیا تو اس سے فرمایا "جب بھی کسی کام کا ارادہ کرے تو پہلے اچھی طرح غور و فکر کر اور اس کا نتیجہ سوچ اگر رشد و ہدایت ہے تو اس پر عمل کر اگر شد و ضلالت ہے تو اس سے دوری اختیار کر۔

اس آدمی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعدہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس جملے سے ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں کہ فکر و تدبر ہونا چاہیے اور جب تک کسی کام کی اونچ نیچ اور نتیجہ و

اثر نہ سمجھ لیں اس پر عمل نہ کریں۔ [1]

شہید پر گریہ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو تھوڑے ہی عرصے بعد جنگ احد ہوگئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ میں شرکت کی اور سارے جنگجوؤں سے زیادہ بہادری دکھائی اور آخر کار مظلومی کی حالت میں شہادت پائی۔ اس مناسبت سے سید الشہدا یعنی شہیدوں کے سردار کا لقب پایا۔ جنگ احد ختم ہوئی تو شہداء کے خاندانوں کے افراد اپنے عزیزوں کے غم میں بے حد گریہ وزاری کر رہے تھے۔ اسی دوران پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد سے واپس آئے۔ جب مدینہ میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے سوا سب گھروں سے رونے کی آواز آرہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک جملہ فرمایا ''اما حمزۃ فلا بواکی'' یعنی سارے شہداء پر گریہ کرنے والے جان لیں کہ سوائے حمزہ رضی اللہ عنہ کے سب پر گریہ کیا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اپنے اپنے گھروں میں گئے اور عورتوں کو بتایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا حمزہ رضی اللہ عنہ پر گریہ کرنے والا کوئی نہیں؟ عورتیں جو اپنے بیٹوں، خاوندوں، باپوں اور بھائیوں پر رو رہی تھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے احترام میں حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر آگئیں اور ان پر گریہ کرنے لگیں۔ اس کے بعد یہ سنت ہوگئی اور رواج بن گیا کہ جب بھی کوئی شہید پر رونے لگتا تو پہلے حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر جاتا اور ان پر گریہ کرتا۔

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلام جو کہ میت پر رونے پر خوشی کا اظہار نہیں کرتا، شہید پہ رونے کے لئے لوگوں کو مائل کرتا ہے۔ کیونکہ شہید پیدائشی طور پر دلیر ہوتا ہے اور شہید پر رونا اس کی مردانگی، اس کی روح کے ساتھ ہم آہنگی، اس کی خوشی میں شمولیت اور اس کی

---

[1] بیست گفتار ص ۱۹۲

موج میں حرکت کا نام ہے۔ [۱]

مذہب پرست بنو نہ کہ قوم پرست

جنگ احد میں مسلمانوں کی فوج میں ایک ایرانی جوان تھا۔ یہ جوان جب بھی دشمن کے کسی فرد کو ضرب لگاتا تو غرور سے کہتا ''میری کاٹ برداشت کر کہ میں ایرانی ہوں''، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احساس ہوا کہ اس کی یہ تعصب بھری آواز دوسروں کو تعصب میں مبتلا کر رہی ہے۔ فوراً اس کو بلا کر فرمایا تو یہ کیوں نہیں کہتا کہ میں ایک انصاری جوان ہوں؟ یعنی تو نے اس چیز پر فخر کیوں نہ کیا، جو آئین و مسلک سے مربوط ہے اور تو نے فخر کا باعث اپنی قوم اور خون کو کیوں بنایا۔ [۲]

قوم پرستی محکوم ہے

ایک دن سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھے تھے۔ جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ بھی موجود تھا۔ حسب ونسب کی باتیں ہونے لگیں۔ ہر کوئی اپنے نسب کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا اور اسے بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا۔ آخر سلمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اپنا حسب ونسب بیان کر۔ یہ فرزانہ اسلام کا تربیت یافتہ تھا۔ بجائے اس کے کہ اپنے خاندانی حسب ونسب پر گفتگو کرتا، کہا ''انا سلمان ابن عبداللہ'' میرا نام سلمان ہے اور خدا کے بندوں میں سے ایک کا بیٹا ہوں۔ میں گمراہ تھا خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے میری راہنمائی کی، میں فقیر تھا خدا نے محمد کے ذریعے مجھے بے نیاز کر دیا، میں غلام تھا خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے مجھے آزاد کر دیا ہے، میرا حسب و نسب۔ اسی دوران رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور سلمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماجرا بیان کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گروہ کی طرف رخ کیا جو سارے

---

[۱] قیام و انقلاب مہدی مقالہ شہید ۱۰۸

[۲] خدمات متقابل اسلام و ایران

کے سارے قریش تھے۔فرمایا اے گروہ قریش! خون پر فخر کیسا؟ قبیلے پر غرور کیسا؟ ہر کسی کے لئے فخر کا باعث اس کا دین ہے، ہر آدمی کی مردانگی اس کے خلق، عادات اور شخصیت ہے۔ ہر کسی کی اصل اس کی عقل وفہم وادراک ہے۔عقل سے بلند کون سی قوم وقبیلہ ہے۔ یعنی ہڈیوں پر فخر کرنے کی بجائے اپنے دین، اخلاق، عقل وفہم اور ادراک پر فخر کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قومی وملکی تعصّبات سے دور رہنے کے متعلق بار بار تاکید کرنا مسلمان اور غیر عرب قوموں پر گہرے اثر کا باعث بنا۔ اسی وجہ سے مسلمان ہمیشہ خواہ عرب ہوں یا غیر عرب، اپنے آپ کو صرف مسلمان سمجھتے تھے اسی لئے ایک دوسرے سے اجنبی اور بیگانہ نہ ہوتے تھے۔سب سے پہلے تعصّبات اور ظلم کی وجہ سے اموی خلفاء نے غیر عرب مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرنا شروع کیا۔ سب جانتے تھے کہ نظام اسلام خلفاء کے کاموں سے جدا ہے۔ اسلام کا خلافت پر اعتراض ہمیشہ بنیادی ہے کہ قوانین اسلام پر عمل کیوں نہیں ہوتا۔یعنی جب غیر عرب مسلمان اموی خلفاء کے کردار اور اسلام کے حقیقی وارثوں کی تعلیمات کے درمیان بعد مشرقین دیکھتے تو خلفا سے بدظن ہو جاتے۔

قوم پرستی خلاف اسلام ہے

ایک دن حضرت علی علیہ السلام ایک پختہ منبر پر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اشعث بن قیس کندی جو کہ عرب کے مشہور سرداروں میں سے تھا آیا اور کہا اے امیر المومنین سرخرو یعنی ایرانیوں نے آپ کے سامنے ہم پر غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ اس کے بعد غصے کی حالت میں کہا آج میں بتاؤں گا کہ عرب کس کام کا ہے۔

علی علیہ السلام نے فرمایا یہ گندے پیٹ، دن کے وقت نرم بستر پر آرام کرتے ہیں اور وہ یعنی ایرانی گرم دنوں میں خدا کی رضا کے لئے سرگرم عمل ہوتے ہیں اور پھر مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کو برطرف کروں، تا کہ ظالموں میں شمار ہو جاؤں۔ اس خدا کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور آدمی کو پیدا کیا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا، جس طرح تم ابتدا میں اسلام کی خاطر ایرانیوں پر تلوار چلاؤ گے اسی طرح بعد میں ایرانی تم پر

اسلام کے لئے تلوار چلائیں گے۔ [1]

شرائط جو قبول نہ ہوئیں

عرب کے قبائل کا ایک گروہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا! اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو جائیں تو ہماری تین شرائط منظور کر لیں، ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ جو یہ ہیں:

(i) ہمیں اجازت دیں کہ ہم مزید ایک سال بتوں کی پوجا کر لیں۔

(ii) ہمیں نماز پسند نہیں، ہمیں نماز نہ پڑھنے کی اجازت دیں۔

(iii) ہمیں اپنے بڑے بتوں کو توڑنے پر مجبور نہ کریں۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا تمہاری ان تین شرائط میں سے تیسری قبول کرتا ہوں یعنی بت کا توڑنا، جس کے توڑنے میں تم جھجک محسوس کرتے ہو اسے دوسرے توڑ دیں، لیکن تمہاری دوسری دو شرائط بالکل قبول نہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی نہ چاہا کہ کوئی قبیلہ ایسی شرائط منوا کر مسلمان ہو کہ انہیں چند سال تک بتوں کی پوجا کی اجازت ہو اور پھر موا حد ہو جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد تو بڑھ جاتی، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لمحہ کے لئے بھی بتوں کی پوجا کی اجازت نہ دے سکتے تھے کیونکہ اس طرح بت پرستی پر دستخط کرنے کے مترادف تھا۔ اسی طرح نماز نہ پڑھنے کی اجازت بھی ٹھکرا دی، اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں صرف ایک رات اور دن نماز نہ پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے تھے کیونکہ اس طرح بھی بعض لوگوں کو کوئی رکن دین چھوڑ لینے کا بہانہ ہاتھ آ جاتا۔ الغرض پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہدف کے لئے غیر شرعی وسائل سے کام نہیں لیتے، نہ ہی لوگوں کی جہالت اور نہ غیر شرعی احکام وضوابط سے عدول کر سکتے ہیں۔

بعینہ یہی واقعہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا، جب

---

[1] خدمات متقابل اسلام و ایران

حضرت علی علیہ السلام ظاہری طور پر تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے پہلے سے مقرر کردہ تمام گورنروں کو یک قلم عہدہ سے ہٹا دیا۔ آپ کے خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ کم از کم شام کے حکمران کو جو طاقتور ہے، چند سال نہ چھیڑا جائے، جب باقی سلطنت کا انتظام مستحکم ہوجائے تو پھر اسے معزول کر دیا جائے۔ حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جائز وارث ہونے کا ثبوت اس طرح دیا کہ آپ نے خیر خواہوں کو جھڑک کر کہا ''میں جسے غلط گورنر سمجھتا ہوں اسے ایک لمحہ کے لئے بھی رہنے کی اجازت و مہلت نہیں دے سکتا (مترجم)

کام تمام ہوا

یمن ان جگہوں میں سے ایک ہے، جس کے لوگ بغیر لشکر کشی کے مسلمان ہوئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو خط لکھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اردگرد کے سارے حکمرانوں کو اسی مضمون کے الگ الگ خطوط لکھے۔ بعض نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا جواب نہ دیا، بعض نے بڑے ادب واحترام سے جواب دیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایلچی کی عزت کی۔ صرف خسرو پرویز تھا، جس نے بے ادبی کی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو ٹکڑے کرنے کے بعد یمن کے بادشاہ کو اس مضمون کا خط لکھا۔

یہ آدمی کون ہے، جو جزیرۃ العرب میں پیدا ہوا ہے۔ جس نے مجھے خط لکھنے کی جرأت کی، مجھے اسلام کی دعوت دیتا ہے اور خط میں اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھتا ہے؟ فوراً کسی کو بھیج کر اس کے متعلق تحقیق کرو، جو اس کو قید کر کے یمن لائے اس کے بعد اسے

میرے پاس بھیجو تا کہ اسے سزا دوں۔

خسرو نے یہ خط اپنے ایلچی کو دے کر یمن بھیجا۔ جب یمن کے بادشاہ کے پاس خط پہنچا تو اس نے ایرانی ایلچی کے ساتھ اپنا ایک آدمی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ بھیجا اور کہا خسرو پرویز نے اس قسم کا خط لکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا جواب دیتے ہیں؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو تا کہ میں تمہیں جواب دوں۔ کچھ عرصہ گزر گیا لیکن خط کا جواب نہ ملا تو ایلچی دوبارہ آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بعد میں آنا تا کہ تمہیں جواب دوں۔ تیسری مرتبہ آئے تو بھی جواب نہ ملا۔ اسی طرح چالیس دن تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو انتظار کروایا۔ آخر کار ایک دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا ہم اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔ اب ہم نے واپس جانے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آخری بار آئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے خداوند پرویز کو کیا جواب دیتے ہیں؟

پیغمبر نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ کل رات ہمارے خدا نے تمہارے خدا خسرو پرویز کا پیٹ اس کے بیٹے شیرویہ سے چروا دیا ہے اور وہ مر گیا ہے۔ جاؤ کہ بنیاد ختم ہوگئی۔ جب ایلچی لوٹے تو ابھی یمن کے بادشاہ کے پاس اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ جب انہوں نے اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اطلاع دی تو اس نے کہا سبحان اللہ، اگر یہ ٹھیک ہے تو اس آدمی کی بنوت و رسالت کی خبر ہے۔ چند دن بعد شیرویہ کا ایلچی آیا اور اطلاع دی کہ اس اس طرح ہوا۔ خسرو پرویز مارا گیا اور اب اس سلطنت کا میں حکمران ہوں۔ اور جس آدمی نے عرب میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے اس کے ساتھ نہ الجھو۔ اس طرح یمن میں اسلام کے لئے زمین ہموار ہوئی۔ [1]

حد الٰہی کا اجر

فتح مکہ کے موقع پر بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور اس کا جرم ثابت ہو

[1] سیرۃ النبی ۱۱۹

گیا۔ اس کا خاوندان اشراف قریش میں سے تھا جو کہ چوری کی حد جاری ہونے میں اپنی بے عزتی سمجھتے تھے۔ بڑی کوشش میں تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حد کے جاری کرنے سے باز رکھیں۔ بعض معزز صحابہ رضی اللہ عنہم کو شفاعت کے لئے تیار کیا، لیکن جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کا مطالبہ سنا اور حد الٰہی کو توڑنے کی کوشش دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصے سے رنگ سرخ ہو گیا اور فرمایا یہ کیسی سفارش ہے کہ میں لوگوں کی خاطر اللہ کے قانون کو توڑ دوں۔ اسی دن عصر کے وقت لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ وہ خدا کے قانون کو جاری کرنے میں رعایت کرتے تھے۔ جب بھی کوئی طاقتور جرم کرتا تو اسے کچھ نہ کہتے اور کوئی کمزور جرم کرتا تو اسے سزا دیتے۔ خدا کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے میں کسی کے بارے میں عدل کرنے میں سستی نہیں کرتا، خواہ یہ جرم میرے کسی نزدیک ترین رشتہ دار نے بھی کیا ہو۔ [1]

یہ اسی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موقف تھا جو رحمت و بخشش میں بے مثال تھا۔ اسی فتح مکہ کے موقع پر قریش نے بیس سال تک ان کے ساتھ ظلم و ستم کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو معاف کر دیا، حتیٰ کہ اپنے پیارے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کی توبہ بھی قبول کر لی۔

طاقت کے وقت عفو

ایک یہودی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دعویٰ کیا کہ مجھے آپ سے رقم لینی ہے مجھے ابھی اسی جگہ دیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے تجھ سے کوئی ادھار نہیں لیا، دوسرے مجھے اپنے مکان پر جانے دے تاکہ تیرے لئے رقم لاؤں، کیونکہ اب میرے پاس کوئی رقم نہیں۔ یہودی نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھنے کی مہلت بھی نہیں دیتا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ جتنی بھی نرمی کی وہ زیادہ غصے ہوتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبا کو پکڑ لیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن کے گرد لپیٹی اور اتنی کھینچی کہ آپ

[1] وحی و نبوت ۱۷۵

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر سرخ نشان پڑ گیا۔

نماز باجماعت کا وقت تھا جب اس میں تاخیر ہوگئی، مسلمانوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں آئے اور وقت گزر گیا ہے تو تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ رکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دے رہا ہے۔ مسلمانوں نے یہودی کو مارنا چاہا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں میں خود جانتا ہوں کہ اپنے دوست کے ساتھ کیا کروں، تمہارا کوئی کام نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی نرمی دکھائی کہ یہودی نے وہیں اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انك رسول اللہ پڑھا۔ پھر کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی طاقت رکھتے ہوئے، اتنا تحمل و برداشت کرتے ہیں، جو ایک آدمی کا کام نہیں، یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں۔

خطرے کی اطلاع

بعثت سے کئی سال پہلے پیغمبر کوہ صفا کے دامن میں تشریف لائے۔ کھڑے ہوئے آواز دی اور خطرے سے آگاہ کیا۔ لوگ جمع ہو گئے کہ دیکھیں کیا خبر ہے اور پیغمبر نے لوگوں سے تصدیق چاہی کہ اے لوگو! تم نے مجھے اپنے درمیان کیسا پایا؟ سب نے کہا، آپ کو صادق اور امین پایا ہے۔

فرمایا اگر میں تمہیں آگاہ کروں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جرار کے ساتھ دشمن ہے، جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا میری بات پر یقین کر لو گے؟ لوگوں نے کہا ہم یقین کرتے ہیں۔ جب لوگوں سے یہ گواہی لے چکے تو فرمایا ''اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ'' میں تمہیں خطرے کی اطلاع دیتا ہوں یہ راستہ جس پر تم چل رہے ہو اس کے پیچھے اللہ کا شدید عذاب ہے، میں اللہ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں تا کہ تمہیں پروردگار کی طرف دعوت دوں۔ [1]

---

[1] سیرت النبی۔ ۱۰۷

مُردوں کے ساتھ باتیں کرنا

جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو قریش کے متکبر مقتولوں کو بدر کے نزدیک ایک کنویں میں ڈالا گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں پر گئے اس میں جھانکا اور مقتولوں کو مخاطب کر کے فرمایا جو کچھ خدا نے ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کی تحقیق کی۔ کیا تم بھی خدا کے سچے وعدے کو درست پاتے ہو؟ بعض اصحاب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُردوں کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں؟ کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو سمجھتے ہیں؟

فرمایا اب وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس حدیث اور مثال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب موت کی وجہ سے جسم و جان میں جدائی ہو جاتی ہے تو روح جس نے بدن کے ساتھ کئی سال گزرے ہوتے ہیں، بالکل قطع تعلق نہیں کر لیتی۔ حدیث میں ہے کہ لوگ سوتے ہیں جس طرح مرتے ہیں اور اس موت سے بھی بیدار ہوتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ حیات و زندگی کا درجہ مرنے کے بعد بالکل مر جانا نہیں۔

شوہروں سے شکایت

ایک دن تین عورتیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اپنے شوہروں کی شکایت کی۔

ایک نے کہا شوہر گوشت نہیں کھاتا، دوسری نے کہا میرا شوہر اچھی خوشبو سے اجتناب کرتا ہے، تیسری نے کہا، میرا خاوند عورتوں سے دوری اختیار کرتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً مسجد کی طرف چلے جبکہ آپ کی چادر غصے سے زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی۔ اس حالت میں منبر پر گئے اور فرمایا میرے دوستوں میں سے ایک گروہ کو کیا ہو گیا ہے۔ گوشت، خوشبو اور عورتوں کو چھوڑ چکے ہیں؟ جان لو میں خود گوشت کھاتا ہوں، خوشبو استعمال کرتا ہوں اور عورتوں سے برتاؤ کرتا ہوں۔ جو میرا طریقہ چھوڑ دے مجھ سے نہیں ہے۔ [۱]

---

[۱] مسئلہ حجاب: ۲۵

بیوی کے لئے آرائش

حسن بن جہم حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے پاس آیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خضاب لگا رہے تھے۔عرض کی یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ رنگ کیوں لگا رہے ہیں؟ فرمایا ہاں مرد کے لئے خضاب و آرائش اس کی بیوی میں پاکدامنی کو زیادہ کرنے کا سبب ہے۔اس کے برخلاف اگر مرد عورتوں کے لئے آرائش نہیں کرتے تو عفت کو کھو دیتے ہیں۔

نیکی کا تقاضا

ایک آدمی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے زنا کیا ہے مجھے پاک کریں۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شاید عورت کو بوسہ دیا ہو اور کہتا ہو کہ زنا کیا ہے؟ عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے زنا کیا ہے۔فرمایا، شاید اس کو سخت پایا ہے۔عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے زنا کیا ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آلودہ ہوا ہوں۔ میں نجس ہو گیا ہوں۔ مجھ پر حد جاری کریں تا کہ اسی دنیا میں سزا پاؤں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ آئندہ دنیا کے لئے عذاب باقی رہے۔

آج ہم کس دنیا میں ہیں اور کس دین کے پیروکار ہیں کہ اپنا تو کیا دوسروں کا جرم بھی چھپاتے ہیں۔اس زمانے کے لوگوں کا اسلام پر اتنا پختہ ایمان تھا کہ مجرم اپنے جرم کی سزا کے لئے خود چل کر جاتا تھا۔حالانکہ مجرم تو ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ سزا سے بچے، صرف ایمان کی طاقت ایسی طاقت ہے جو مجرم کو خود سزا کی طرف جانے کا حوصلہ دیتی ہے۔

خرچ اندازے سے کرو

بنی قریظہ کے یہودیوں کی اسلام سے خیانت کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پختہ ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ لین دین ختم کر دیں۔ یہودیوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چاہا کہ ابولبابہ کو ان کے پاس بھیجیں تا کہ ان کے ساتھ مشورہ کریں۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو

لبابہ کو جانے کے لئے کہا۔ ابولبابہ ان کے ساتھ گفتگو کے لئے گئے۔ چونکہ یہودیوں کے ساتھ ان کے خاص روابط تھے، اس لئے ابولبابہ نے مسلمانوں کے حقوق کا خیال نہ رکھا۔ ایک جملہ کہا جو یہودیوں کے فائدے اور مسلمانوں کے لئے نقصان کی طرف اشارہ تھا۔

جب میٹنگ سے باہر آیا تو احساس ہوا کہ خیانت کی ہے، اگر چہ کسی آدمی کو اس کی خبر نہ تھی۔ لیکن جو بھی قدم مدینہ کی طرف اٹھاتا تھا یہ آگ اس کے دل میں بھڑکتی تھی۔ پس گھر میں آیا، لیکن بیوی اور بچوں کو دیکھنے کے لئے نہیں بلکہ گھر سے ایک رسی لی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مسجد میں آکر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا

''خدایا جب تک میری توبہ قبول نہیں ہوتی، اپنے آپ کو ستون سے بالکل نہیں کھولوں گا۔''

کہتے ہیں صرف نماز پڑھنے کے لئے یا قضائے حاجت یا کھانا کھلانے کے لئے اس کی بیٹی آتی اور اس کو ستون سے کھولتی، کھانا کھا چکتا تو اس کو ستون کے ساتھ باندھ دیتی تھی۔ وہ پھر خدا سے تضرع وزاری میں مشغول ہو جاتا۔

یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے پاس آتا اور اقرار کرتا تو میں اس کے لئے خدا کے ہاں استغفار کرتا۔ لیکن وہ سیدھا خدا کے پاس گیا۔ خدا خود اس کے پاس پہنچے گا۔ اس واقعہ کو دو دن رات یا زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اچانک ام سلمہ علیہ السلام کے گھر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اتری اور اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کہ اس آدمی کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہ علیہ السلام کو ابولبابہ کی توبہ قبول ہونے کی خبر دی۔ ام سلمہؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں اسے بشارت دوں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی۔ آپ کے ہر کمرے کی مسجد کی طرف ایک کھڑکی تھی۔ ام سلمہؑ نے سر کھڑکی سے باہر نکالا اور کہا، اے ابولبابہ میں تجھے خوشخبری دیتی ہوں کہ خدا نے تیری توبہ قبول کر لی ہے۔ یہ خبر بہت جلد مدینہ میں پھیل گئی، لوگ مسجد کی جانب

بھاگے تا کہ اس کی رسی کھولیں۔لیکن اس نے اجازت نہ دی اور کہا میری خواہش ہے کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں۔لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابولبابہ کی خواہش بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اس کی رسی کھول دی، پھر فرمایا۔

''اے ابولبابہ تیری توبہ قبول ہوئی تو اس آیت **يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ** [۱] کا مصداق ہوا۔اب تیری حالت اس بچے کی طرح ہے جو ابھی ابھی پیدا ہوا ہے، تیرے ذمے اب کوئی گناہ نہیں ہے۔''

اس کے بعد ابولبابہ نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اللہ نے جو نعمت دی ہے اس کے شکرانہ کے طور پر میں اپنی ساری دولت اس کی راہ میں صدقہ دینا چاہتا ہوں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کر۔عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو تہائی صدقہ دینے کی اجازت دیں۔فرمایا نہیں،عرض کیا نصف کی اجازت دیں،فرمایا نہیں،عرض کیا ایک تہائی کی اجازت دیں فرمایا کوئی ہرج نہیں۔

اسلام ہر چیز میں ایک حد مقرر کرتا ہے حتیٰ کہ انفاق وایثار کی بھی حد ہے۔اسلام کہتا ہے کہ اس بات کا اندازہ کر کہ تو اپنی تمام دولت کو صدقہ کے طور پر دینا چاہتا ہے۔اس طرح تیرے بچے اور بیوی کیا کریں گے؟ ایک تہائی خدا کی راہ میں دے دے بقیہ اپنے پاس رکھ۔[۲]

سب کچھ کیوں انفاق کیا

ایک مسلمان فوت ہوا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد پوچھا! مرحوم کے کتنے بچے ہیں اور ان کے لئے کیا چھوڑ گیا ہے؟ بتایا گیا جو کچھ رکھتا تھا مرنے سے پہلے اللہ کی راہ میں دے گیا ہے۔فرمایا اگر یہ مجھے پہلے بتا دیتے تو میں اس پر نماز جنازہ نہ پڑھتا کیونکہ یہ اپنے بچوں کو بھوکا چھوڑ گیا ہے۔فقہا کہتے ہیں کہ اگر وصیت

---

[۱] سورۂ البقرہ:۲۲۲

[۲] گفتار ہائے معنوی ۱۵۶،۵۷

کرنا چاہے کہ مرنے کے بعد میری دولت خدا کی راہ میں دے دی جائے تو صرف تہائی کی وصیت کرے اس سے زیادہ کی تو وصیت نہیں کرسکتا۔

پیدائش سے قبل شادی طے کرنا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج کے دوران سواری پر جا رہے تھے کہ ایک آدمی نے سرراہ روک لیا اور کہا میری ایک شکایت ہے فرمایا بیان کر۔ اس نے عرض کیا کئی سال پہلے جاہلیت کے زمانے میں میں طارق بن مرقع نے ایک جنگ میں شرکت کی۔ طارق کو عین جنگ کے دوران نیزہ کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے آواز دی کہ کون ہے جو مجھے نیزہ دے اور اس کا مجھ سے بدلہ پائے۔ میں آگے بڑھا اور بدلہ پوچھا؟ اس نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ میری جو پہلی بچی پیدا ہوگی وہ تجھے دوں گا۔ میں نے منظور کیا اور نیزہ اسے دے دیا۔

وقت گزر گیا کئی سالوں کے بعد مجھے پتہ چلا کہ اس کے بچی پیدا ہوئی ہے۔ میں گیا اور اسے وعدہ یاد دلایا اور اپنا بدلہ مانگا، وہ عدے سے پھر گیا، مجھ سے مہر مانگتا ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں کہ کیا میرا حق ہے یا نہیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا بچی کی عمر کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ اتنی عمر کی ہوگئی ہے کہ اس کے سر کے بال بھی سفید ہوگئے ہیں۔ فرمایا، اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو اب نہ تمہارا حق ہے نہ طارق کا۔ جاؤ اپنا کام کرو اور بچی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔

وہ آدمی حیران ہوگیا۔ کچھ دیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھورتا رہا، سوچ میں مستغرق تھا کہ یہ کس قسم کا فیصلہ ہے۔ کیا باپ کو بیٹی پر اختیار نہیں؟ کیوں نہیں اگر میں لڑکی کے باپ کو مہر دے دوں اور وہ راضی خوشی لڑکی مجھے دے دے تو اس میں کیا حرج ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حیرانگی اور فکر مندی بھانپ کر فرمایا مطمئن رہ جس طرح میں نے کہا ہے اس سے نہ تو گنہگار ہوتا ہے نہ تیرا دوست طارق۔

اس کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں والدین کو اس حد تک

اختیار تھا کہ پیدائش سے پہلے ہی لڑکی کا دوسرے آدمی سے عقد کر دیتے تھے۔

دلہن کا مہر

ایک عورت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ لوگوں کے سامنے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنا ہم سر بنا لیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار کی، عورت انتظار میں بیٹھ گئی کہ ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ نہ چاہتے ہوں تو میں حاضر ہوں، کہ اسے اپنا ہم سر بنا لوں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کس مہر سے؟

اس نے کہا میرے پاس مہر کے لئے کچھ نہیں ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گھر جاؤ شاید تمہیں کچھ مل جائے، جو اس عورت کو مہر کے طور پر دے سکو۔ وہ مرد گھر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹ آیا۔ عرض کیا کچھ نہیں ملا، فرمایا پھر جاؤ اگر لوہے کی ایک انگوٹھی بھی مل جائے تو کافی ہے۔ وہ دوبارہ گیا، لوٹا اور کہا گھر سے ایک لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی ہے۔ میں حاضر ہوں کہ جو کپڑے میں پہنے ہوئے ہوں، اس عورت کو بطور مہر دوں۔ صحابہؓ میں سے ایک جو اسے پہچانتا تھا اس نے گواہی دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی قسم یہ آدمی ان کپڑوں کے علاوہ اور کپڑے بھی نہیں رکھتا، اس لئے ان میں سے نصف کپڑے اس عورت کا مہر مقرر کر دیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون سا آدھا حصہ عورت کو دیا جائے، جو حصہ عورت کو دیا جائے گا اس حصے سے اس کا بدن ننگا ہو جائے گا۔ اسے حق مہر کے لئے ننگا تو نہیں ہونا چاہئے۔ عورت اور مرد فیصلے کی انتظار میں تھے اور بحث طویل ہو رہی تھی، مختلف دلائل اور رائیں دی جانے لگیں۔ آخر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواستگار مرد کو پاس بلا کر پوچھا کیا تو قرآن مجید پڑھ سکتا ہے۔ اس نے عرض کیا فلاں فلاں سورۃ پڑھنا جانتا ہوں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا کیا قرات کے لحاظ سے زبانی پڑھ سکتا ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تیرا اس عورت کے ساتھ اس شرط پر عقد پڑھتا ہوں کہ تو بطور مہر اس کو ان قرآنی آیات کی تعلیم دے۔ مرد نے عورت کا ہاتھ پکڑا اور

چل دیا۔ [۱]

طلاق

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تو نے اسے کیوں طلاق دی ہے۔ کیا اس میں کوئی برائی پائی ہے؟ اس نے کہا نہیں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے دوسری شادی کر لی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دوسری شادی کرنے کا پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں نے واقعی دوسری شادی کر لی ہے کچھ عرصہ کے بعد اس نے دوسری بیوی کو بھی طلاق دے دی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس سے پوچھا کہ تو نے اس میں کوئی برائی دیکھی، اس نے کہا کوئی برائی نہیں دیکھی۔

اس نے پھر تیسری شادی کر لی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس سے شادی کرنے کا اقرار کرایا۔ اس نے کچھ عرصہ کے بعد اس تیسری عورت کو بھی طلاق دے دی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تو نے اس میں کوئی برائی پائی۔ اس نے جواب دیا نہیں برائی نہیں پائی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا اس آدمی پر لعنت بھیجتا ہے اور اسے دشمن سمجھتا ہے جو بار بار عورتیں تبدیل کرے۔ اسی طرح اس عورت پر لعنت کرتا ہے جو بار بار شوہر تبدیل کرتی ہے، اسلام طلاق کے بے حد خلاف ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ جتنا ممکن ہو طلاق کی صورت پیدا نہ ہو۔ [۲]

طلاق کیوں دیں؟

امام باقر علیہ السلام صرف ایسی عورتوں کے ساتھ شادی کرتے جو ان کی پیروکار ہوتیں۔ ایک بار ایک عورت سے شادی کی تو بعد میں پتہ چلا کہ ناصبیہ ہے یعنی علی ابن ابی

---

[۱] نظام حقوق زن در اسلام ۱۹۔ ۲۱۷

[۲] نظام حقوق زن در اسلام۔ ۲۷۱

طالب علیہ السلام سے دشمنی رکھتی ہے امامؑ نے اس کو طلاق دے دی۔ امام سے پوچھا گیا کہ آپ اس کو پسند کرتے تھے پھر اس کو طلاق کیوں دے دی؟

فرمایا میں نہیں چاہتا کہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا میرے پاس ہو۔

اسلام اگرچہ طلاق کی شدید مذمت کرتا ہے لیکن ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر عورت و مرد کی مشترک زندگی میں مذہبی مقدسات میں خلل آئے یا مشکلات پیدا ہوں تو اس صورت میں طلاق کو حل تجویز کرتا ہے۔

ایک شوہر کیوں؟

ایک دن قریش کی تقریباً چالیس عورتیں اکٹھی ہو کر حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئیں اور عرض کیا، یا علی علیہ السلام اسلام مرد کو کئی عورتیں کرنے کی اجازت کیوں دیتا ہے اور عورت کو کئی شوہر کرنے کی اجازت کیوں نہیں دیتا۔ کیا یہ ایک ناروا سلوک نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہر ایک عورت ایک چھوٹا چھوٹا برتن پانی سے بھر لائے۔ جب وہ بھر لائیں تو حکم دیا کہ محفل میں پڑے ہوئے بڑے برتن میں ڈال دیں۔ جب ہر ایک اپنا برتن خالی کر چکی تو حکم دیا کہ اب جو پانی تمہارے برتن میں تھا، بڑے برتن سے اپنے برتن میں ڈال لیں۔ عورتوں نے عرض کیا ایسا ممکن نہیں۔ سارے پانی آپس میں مل گئے ہیں ان میں شناخت نہیں ہوسکتی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا اگر ایک عورت کے کئی شوہر ہوں تو پھر کس طرح معلوم ہوگا کہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ کس آدمی کی نسل سے ہے۔ [1]

یہ بہترین اور سادہ ترین دلیل تھی ایک اور وجہ بھی ہے عموماً شادی جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کی جاتی ہے اور الفت و محبت جذبات کے لئے بنیادی چیز ہے متعدد شوہروں کی صورت میں عورت ہر ایک سے ایک جیسی الفت و محبت نہیں کرسکتی۔ اس طرح شوہروں میں سے جس کے ساتھ کم الفت و محبت کرے گی۔ اس کی نفرت کا سبب ہوگی۔

---

[1] نظام حقوق زن در اسلام: ۳۴۸

اس لیے وہ سارے مردوں کو ایک جیسا نہیں پائے گی اور سارا نظام زندگی تباہ ہو جائے گا۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا، خدایا، اپنے محبوب ترین بندے کو بھیج تاکہ میرے ساتھ اس کے کھانے میں شریک ہو۔ اسی دوران دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انس کو دروازہ کھولنے کو کہا جبکہ انس دعا مانگ رہا تھا کہ خدا کرے کوئی انصاری آدمی ہو۔ لیکن جب دروازے پر آیا تو حضرت علیؑ کو پایا اس نے کہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام میں مصروف ہیں اس لئے چلے جائیں۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھٹکھٹایا گیا پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازہ کھولنے کا انس کو حکم دیا۔ اس نے دوبارہ حضرت علیؑ کو دروازہ پر پایا اور پہلا جواب دے کر دروازہ بند کر دیا، تیسری بار پھر دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر انس سے کہا جاؤ دروازہ کھولو اور اسے اندر لاؤ تم پہلے آدمی نہیں ہو جو قومیت پرست ہو، دروازے پر انصاری نہیں ہے۔ انس کہتے ہیں میں گیا اور حضرت علیؑ کو اندر لایا۔ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھنا ہوا پرندہ کھایا۔ [1]

ہاں حضرت علی علیہ السلام خدا و پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین افراد میں سے تھے اور شیعوں کے نزدیک بہترین محبوب ہیں۔

معنوی آزادی

حضرت علیؑ جنگ صفین کی طرف جا رہے تھے یا لوٹ رہے تھے تو انبار شہر پہنچے۔ اس وقت انبار عراق میں تھا، جبکہ اس سے قبل یہ ایران میں تھا۔ جب علیؑ کے پہنچنے کی خبر انبار کے لوگوں کو پہنچی تو مرد عورتیں چھوٹے بڑے خلیفہؑ کے استقبال کو آئے۔ وہ اپنے خیال میں حضرت علیؑ کو ساسانی حکمرانوں کا جانشین سمجھتے تھے۔ جب علیؑ کے نزدیک پہنچے تو ان کے گھوڑے کے سامنے بھاگنے لگے۔ علیؑ نے پوچھا کیوں بھاگتے ہو؟ انہوں نے کہا آقا ہم اپنے بزرگوں اور حکمرانوں کا اسی طرح استقبال کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا ایسا نہ کرو، یہ تمہیں پست اور ذلیل کرتا ہے۔ تم میرے

[1] مستدرک

سامنے اپنے آپ کو کیوں ذلیل کرتے ہو۔ میں بھی تمہاری طرح ہوں۔ تمہارے ایسا کرنے سے خدا نہ کرے میں کسی وقت غرور میں آجاؤں اور اپنے آپ کو تم سے برتر سمجھنے لگوں۔

یہی معنوی آزادی ہے۔ اسی کو قرآن کی آواز میں لا تعبد الا اللہ یعنی خدا کے سوا کسی شخص، شے یا طاقت کی پوجا نہ کرنے والا کہتے ہیں۔

باپ کا قربان ہونا

ایک دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ زہر سلام اللہ علیہا کے گھر آئے، جبکہ فاطمہ نے چاندی کا کنگن ہاتھوں میں پہن رکھا تھا اور قیمتی سرخ پردہ دروازے پر لٹکا رکھا تھا۔ چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب زہرا سے بے حد محبت کرتے تھے اس لئے یہ حالات دیکھ کر بغیر بات کئے چلے گئے۔

جناب سیدہ ؑ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل سے یہ اخذ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری زیب و زینت کو پسند نہیں فرمایا۔ اس لئے فوراً زیور اتار دیا اور قیمتی سرخ پردہ ہٹا دیا اور کسی آدمی کے ذریعہ دونوں اشیاء پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دیں۔

جو آدمی یہ اشیاء لے کر آیا اس نے عرض کیا کہ جناب سیدہ ؑ کہتی ہیں کہ جہاں چاہیں انہیں خرچ کر دیں۔ اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا تیرا باپ تجھ پر قربان ہو [1]

مروت و مردانگی

جنگ صفین شروع ہونے والی ہے اور حضرت علی علیہ السلام کا معاویہ کے ساتھ پہلا ٹکراؤ ہونے والا ہے۔ دونوں فوجیں دریائے فرات کے قریب ایک دوسری کے نزدیک ہیں۔ معاویہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ آگے بڑھو اور جنگ سے قبل حضرت علی علیہ السلام اور ان کے سپاہیوں پر پانی بند کر دو۔ اسلام کے سپاہیوں پر پانی بند کر دیا گیا۔ معاویہ اور اس کے سپاہی بڑے خوش تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے اس موقعہ سے خوب فائدہ اٹھایا، کیونکہ

---

[1] سیرۃ نبوی ؐ ۵۸۰

علی علیہ السلام اور ان کے فوجی آئیں گے اور انہیں پانی نہیں ملے گا تو وہ بھاگ جائیں گے اور ہم آسانی سے فتح پا لیں گے۔

جب حضرت علیؑ نے بندش آب دیکھی تو معاویہ کو پیغام بھیجا۔ بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے سے گفتگو کر کے جو گرہ پڑی ہے اسے ہاتھوں سے کھول دیں نہ کہ دانتوں سے اور ممکن حد تک مسلمانوں میں جنگ و خونریزی سے گریز کریں۔ ابھی ہم پہنچے ہی ہیں کہ تم نے پانی بند کر دیا ہے۔ پیغام ملنے پر معاویہ نے ایک مشاورتی کمیٹی بنائی مسئلہ ان کے سامنے رکھا اور پوچھا کہ پانی واگزار کر دیا جائے یا نہ۔ بعض نے کہا پانی سے پابندی اٹھالی جائے کیونکہ اگر پانی سے پابندی نہیں اٹھاؤ گے تو زور و طاقت سے چھین لیں گے۔ اس طرح تمہاری عزت جاتی رہے گی۔ دوسرے کہتے تھے کہ ہم پانی سے پابندی نہیں اٹھاتے، ان میں طاقت نہیں کہ ہم سے چھین لیں۔

آخر حضرت علیؑ پر جنگ مسلط کر دی گئی۔ حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کے سامنے ایک پر زور و پر جوش خطبہ دیا، جس نے ہزاروں طبل جنگ اور رجزیہ نعروں سے زیادہ فوج پر اثر کیا۔ آپؑ نے فرمایا اے لوگو! معاویہ نے اپنے گرد گمراہوں کا ایک گروہ اکٹھا کر لیا ہے، جنہوں نے تم پر پانی بند کر دیا ہے۔ اب تم جانتے ہو کہ کیا کرنا چاہئے؟ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لو۔ اب تم پیاسے ہو اور مجھے بتاتے ہو کہ پانی نہیں ہے۔ ہم پیاسے ہیں اور پانی چاہتے ہیں۔ پس اپنی تلواروں سے اس ناپاک خون کو سیراب کرو حتیٰ کہ تم خود پانی سے سیراب ہو جاؤ اس کے بعد ایک جملہ کہا جس سے فوج میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے اس تقریر میں موت و حیات کا نظریہ پیش کیا۔

اے لوگو! حیات کے کیا معنی ہیں؟ زندگی کیا ہے؟ موت کسے کہتے ہیں؟ کیا زندگی کا مطلب زمین پر چلنا پھرنا، کھانا پینا اور سونا ہے، کیا مرنا زمین کے نیچے چلا جانا ہے؟ نہیں۔ نہ یہ زندگی ہے اور نہ یہ موت ہے۔ **فالموت فی حیاتکم مقهورین والحیاة موتکم قاهرین** زندگی یہ ہے کہ کامیابی کی موت مرو اور مرنا یہ ہے کہ زندہ

رہو اور دوسروں کو اپنا محکوم و مغلوب کرو۔ اس جملے میں کتنا فلسفہ ہے، کتنی بلندی ہے۔ یہ جملہ سو فوجی رجزوں سے زیادہ اثر کر گیا۔ اب علیؑ کے لشکر کو زیادہ دیر روکنا مشکل تھا۔ انہوں نے حملہ کیا اور دشمن کو کئی میل پیچھے دھکیل دیا، گھاٹ پر قبضہ کر لیا اور پانی پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ اب معاویہ بے آب ہو گیا تو ایک درخواست لکھی۔

حضرت علیؑ کے اصحاب نے کہا ناممکن ہے کیونکہ پہل ہم نے نہیں کی تم نے خود پہلے پانی بند کیا اور کہتے تھے کہ پانی نہیں دیں گے۔ لیکن حضرت علیؑ نے فرمایا نہیں ہم ہرگز کوئی بزدلانہ کام نہیں کریں گے۔ میں میدان جنگ میں دشمن کے سامنے جاؤں گا۔ لیکن اس قسم کے ذلیل ہتھکنڈوں سے فتح نہیں حاصل کروں گا، یہ عمل و طریقہ میرا نہیں ہے اور ایک مسلمان کی شایان شان نہیں ہے۔

یہ ہے مروت و مردانگی، مروت، شجاعت سے بلند تر ہے۔ ملا روحی نے کتنا اچھا کہا ہے۔ ان کے اشعار میں سے یہ شعر حضرت علیؑ کے بارے میں بہترین شعر ہے امیر المومنینؑ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں

در شجاعت شیر ربا نیستی

در مروت خود کہ داند کیستی

صفین کے واقعات

جنگ صفین میں آخری دن جب حضرت علیؑ کی فتح نظر آنے لگی تو معاویہ نے عمرو عاص سے مشورہ کیا کہ کوئی کرتب دکھاؤ۔ اس نے دیکھا کہ تمام کوششیں اور جنگی چالیں غیر موثر ہو گئی ہیں اور شکست قریب ہے۔ اس نے سوچا کہ سوائے دھوکہ دہی کے کوئی راہ نجات نہیں۔ پس اس نے حکم دیا کہ قرآن نیزوں پر بلند کریں کہ لوگو! ہم تم اہل قبلہ و قرآن ہیں۔ آؤ قرآن کو اپنے درمیان حکم بنائیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، جو انہوں نے کہی یہ وہی بات تھی جو حضرت علیؑ اس سے قبل فرما چکے تھے۔ لیکن انہوں نے قبول نہ کیا تھا۔ اب بھی قرآن کے ساتھ مخلص نہیں تھے بلکہ بہانہ تھا کہ قطعی شکست سے بچ جائیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے آواز دی، انہیں ماروان کے دھوکہ میں نہ آؤ۔ یہ قرآن کے صفحات و کاغذ کو بہانہ بنا رہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ و کتابت میں صرف اپنی حفاظت کا بہانہ تلاش کریں اور بعد میں قرآن سے مکر جائیں۔ قرآن کا کاغذ و جلد قرآن کی حقیقت کے سامنے کوئی احترام نہیں رکھتے۔ یہ قرآن کے کاغذ اور لکھائی کو دستاویز بنا کر اس کی حقیقت و معنی کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔

کچھ نادان اور دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے والوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا کہ علیؑ کیا کہتا ہے انہوں نے شور مچا دیا کہ کیا ہم قرآن سے جنگ کریں؟ ہماری جنگ تو قرآن کے احیاء کے لئے ہے۔ جب وہ خود قرآن کو مان رہے ہیں تو پھر ان سے جنگ کیسی؟

حضرت علیؑ نے فرمایا میں بھی کہتا ہوں کہ ہم قرآن کے لئے جنگ کر رہے ہیں، لیکن ان کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کے الفاظ و کتابت کو اپنی جان بچانے کا وسیلہ بنا رہے ہیں۔ لیکن نادانی و جہالت نے ان کی آنکھوں پر سیاہ پردہ ڈال دیا اور حقیقت سے دور ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم قرآن سے جنگ نہیں کرتے۔ قرآن سے جنگ خود ایک کفر ہے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے اور جو لوگ قرآن سے لڑتے ہیں ہم ان سے لڑیں گے۔

مالک اشتر جو کہ ایک سمجھدار اور وفادار و فداکار افسر تھے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمن کی فوجوں میں اتنا آگے نکل گئے کہ معاویہ کے خیمے کو گرانے والے تھے اور اسلام کی راہ کو کانٹوں سے صاف کرنے کے نزدیک تھے۔ اسی دوران اس گروہ نے علیؑ کے سامنے شور مچانا شروع کر دیا کہ مالک کو واپس بلائیں ورنہ ہم پیچھے سے اس پر حملہ کر دیں گے۔ علیؑ نے جتنا بھی سمجھایا انہوں نے انکار اور ضد کی۔ ناچار علیؑ نے مالک اشتر کو پیغام بھیجا کہ جنگ روک دو اور میدان جنگ سے لوٹ آؤ۔ اس نے پیام بھیجا کہ اگر چند منٹ کی اجازت دیں تو دشمن کو ختم کر کے آجاؤں، تلواریں اٹھی ہوئی ہیں، ان کے ٹکڑے

ٹکڑے کرنے دیں۔ حضرت علیؑ نے مالک کو پھر پیغام بھیجا کہ اگر علیؑ کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو جنگ ختم کر کے لوٹ آؤ۔ وہ لوٹ آیا اور دشمن خوش ہو گیا، اس کا حیلہ خوب کامیاب ہوا۔ جنگ موقوف ہو گئی تا کہ قرآن کو حکم بنائیں، حاکمیت کی محفل سجائی جائے اور دونوں جانب کے حکم جو کچھ قرآن و سنت کے مطابق ہو فیصلہ کریں۔ دشمنی ختم کریں۔ اس کے برعکس اختلاف کی آگ کو بھڑکا دیں۔

حضرت علیؑ نے کہا وہ اپنا حکم مقرر کریں تا کہ ہم حکم کا تعین کریں۔ انہوں نے تھوڑے سے تردد کہ کے بعد فریب کاری کے نچوڑ عمرو عاص کو حکم مقرر کیا۔ حضرت علیؑ نے بھی سیاست دان عبداللہ بن عباس یا فدا کار و جانثار اور روشن ضمیر و باایمان مالک اشتر کو تجویز کیا یا ان کی مثل کسی آدمی کو منتخب کرنے کا فرمایا لیکن وہ بدبخت جو علیؑ کے لشکر میں گھسے ہوئے تھے، کسی اپنے جیسے کو چاہتے تھے اور اپنے جیسے بے تدبیر و احمق ابوموسیٰ اشعری کو جو حضرت علیؑ کے ساتھ مخلص نہ تھا منتخب کیا، علیؑ اور آپ کے باتدبیر دوستوں نے جتنا بھی سمجھایا کہ ابوموسیٰ اس کام کے لئے موزوں نہیں ہے، انہوں نے اس کے بغیر کسی کو قبول نہ کیا۔ فرمایا اگر یہی ہے تو جو چاہو کرو آخر کار ابوموسیٰ کو علیؑ اور آپ کے اصحاب کی طرف سے حکم بنا کر بھیجا گیا۔ کئی مہینوں کے مشورے کے بعد عمرو عاص نے ابوموسیٰ سے کہا مسلمانوں کی بہتری کے لئے نہ علیؑ رہیں نہ معاویہ ہم کوئی تیسرا آدمی چن لیں اور وہ تمہارے داماد عبداللہ بن عمر کے بغیر کوئی موزوں نہیں ہے۔ ابوموسیٰ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو اب دیر کیسی؟

عمرو عاص نے جواب دیا بڑی سادہ سی بات ہے تو علیؑ کو خلافت سے خلع کر اور میں معاویہ کو کرتا ہوں اور اس کے بعد مسلمانوں میں جا کر ایک شائستہ آدمی جو عبداللہ بن عمر ہے انتخاب کرتے ہیں اور فتنہ کی جڑ کو ختم کر دیں۔ دونوں اس بات پر متفق ہوئے اور لوگوں کو اکٹھا ہونے کو کہا تا کہ حاکمیت کے نتائج کو سنیں۔ لوگ جمع ہوئے تو ابوموسیٰ نے عمرو عاص کو کہا کہ منبر پر جا کر اپنے نظریہ کا اعلان کر۔ عمرو عاص نے کہا میں؟ تم صحابہ میں سے

سفید پوش اور محترم آدمی ہو، میں ایسی جسارت کیسے کروں کہ آپ سے پہلے بات کروں۔ ابو موسیٰ پھول گیا منبر پر گیا۔ اب دل تڑپ رہے تھے، آنکھیں خیرہ تھیں، سانس سینوں میں رکے ہوئے تھے، سارے کے سارے لوگ انتظار میں تھے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم نے مشورے کے بعد امت کی اصلاح اس میں دیکھی ہے کہ نہ علیؑ ہوں اور نہ معاویہ۔ مسلمان جس کو چاہیں منتخب کرلیں۔ انگوٹھی کو دائیں انگلی سے اتار کر کہا جس طرح میں نے یہ انگوٹھی انگلی سے اتار دی ہے اسی طرح میں نے علیؑ کو خلافت سے خلع کیا، اتنا کہا اور منبر سے اتر آیا۔

اس کے بعد عمرو عاص منبر پر بیٹھا اور کہا تم نے ابو موسیٰ کو سنا کہ اس نے علیؑ کو خلافت سے ہٹا دیا ہے۔ اس کے بعد دائیں ہاتھ کی انگوٹھی اتاری اور اسے بائیں ہاتھ میں ڈالا اور کہا میں معاویہ کو خلافت پر قائم رکھتا ہوں۔ جس طرح کہ یہ انگوٹھی میری ہی انگلی میں باقی ہے۔ یہ کہا اور منبر سے اتر آیا۔ مجلس میں غل مچ گیا لوگوں نے ابو موسیٰ پر حملہ کر دیا بعض نے تازیانے اٹھالئے ابو موسیٰ جان بچا کر مکہ کی طرف بھاگ گیا اور عمرو عاص شام چلا گیا۔

خوارج جو یہ واقعہ برپا کرنے والے تھے انہوں نے حاکمیت کی رسوائی اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اپنے شک کو نہ سمجھے کہ کہاں ہوا؟ انہوں نے یہ نہ کہا کہ غلطی کہاں ہوئی۔ ہم نے معاویہ عمرو عاص کی قلابازیوں کو تسلیم کیا جنگ کو موقوف کیا اور نہ یہ کہتے تھے کہ حکمت کے قرار کے بعد حکم مقرر کرنے میں غلطی کی کہ ابو موسیٰ کو عمرو عاص کا حریف قرار دیا۔ بلکہ کہتے تھے کہ ہم نے جو دو انسانوں کو خدا کے دین میں حکم قرار دیا، شرح کے خلاف تھا اور کفر تھا حاکم صرف خدا ہے نہ کہ انسان، علیؑ کے پاس آئے کہ ہم نہ سمجھے اور حکمیت قائم کردی۔ تو بھی نعوذ باللہ کافر ہو گیا اور ہم بھی، ہم نے توبہ کی تم بھی توبہ کرو۔

حضرت علیؑ نے فرمایا توبہ ہر حال میں اچھی ہے۔ **استغفر اللہ من کل ذنب** ہم ہر وقت گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ کافی نہیں بلکہ آپ کو غلطی کا

اعتراف کرنا چاہئے کہ حکمیت گناہ تھا اور اس گناہ پر توبہ کریں۔ فرمایا تحکیم کے مسئلے کو میں نے پیدا نہ کیا، خود تم نے پیدا کیا اور اس کا تم نے نتیجہ دیکھ لیا۔ دوسری جانب جو چیز اسلام میں شروع ہے (حکمیت) اس کو گناہ سمجھوں اور جو گناہ میں نے نہیں، کیا اس کا اعتراف کروں۔

اس طرح ایک گروہ الگ فرقہ بن گیا جو ابتداء میں سرکش و باغی فرقہ تھا اور بعد میں اسی وجہ سے خوارج کے نام سے مشہور ہوا۔ [۱]

شمشیر اسلام

جنگ خندق میں جب کفار مکہ نے دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر دس ہزار مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا تو مسلمانوں کو سخت اقتصادی و اجتماعی شرائط میں جکڑ دیا، جن سے ظاہری طور پر مسلمانوں کی نجات کی کوئی راہ نہ رہی۔ کفار کی فوج کے سالار عمرو بن عبدود نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ، ایک تنگ جگہ سے خندق کو پھلانگ کر مسلمانوں کے بالکل قریب آکر ''**ھل من مبارز**'' کی آواز بلند کی، مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی جرات نہ کی کہ آگے بڑھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ جو بھی آگے بڑھا، مارا جائے گا۔

اس وقت حضرت علیؑ جن کی عمر بیس سال سے کچھ زیادہ تھی اٹھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب پر اتمام حجت کرنا چاہتے تھے۔ عمرو بن عبدود لگاتار گھوڑے کو جولان دے رہا تھا اور **ھل من مبارز**؟ کی صدا دے رہا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو اس سے جنگ کرے؟ کوئی نہ اٹھا اور دوسری مرتبہ حضرت علیؑ نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیں۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ تیسری یا شاید چوتھی بار ایسا ہی ہوا۔ عمرو بن عبدود نے شعر پڑھا جس سے مسلمان بے حد بے چین ہوگئے، ان کی ہڈیاں تک جل گئیں۔ اس نے کہا میں **ھل من مبارز**

---

[۱] جاذبہ ودافعہ علیؑ ۱۱۱۔ ۱۲۲

کہہ کہہ کرتھک گیا ہوں، کیا یہاں ایک بھی مرد نہیں۔ [۱]

اے مسلمانو! تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہمارے قتل کئے ہوئے جہنم جاتے ہیں۔پس تم میں سے کوئی آئے اور مجھے جہنم پہنچائے یا وہ مارا جائے اور جنت میں جائے۔

حضرت علیؑ اٹھے اور فرمایا جلدی نہ کر میں تجھے جواب دینے میں عاجز نہیں ہوں۔عمر بن خطاب نے بھی مسلمانوں کے عذر میں کہا! یارسول اللہ اگر کوئی نہیں اٹھتا تو ٹھیک کرتا ہے کیونکہ یہ آدمی ہزار آدمیوں کے برابر طاقتور ہے، جو بھی اس کے سامنے جائے گا مارا جائے گا۔ حالت یہ ہو گئی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **برز الاسلام کله الی الکفر کله** ''تمام اسلام تمام کفر کے روبرو ہے آخر کار حضرت علیؑ عمرو کے سامنے گئے۔ اس ملعون کو فی النار کیا اور مسلمانوں کو نجات دی۔

اگر یہ کہا جائے کہ شمشیر حضرت علیؑ اسلام کے لئے اٹھی تھی اور اگر نہ اٹھتی تو اسلام کا وجود باقی نہ رہتا، اس کے یہ معنی نہیں کہ علیؑ کی تلوار نے زبردستی لوگوں کو مسلمان کیا بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر حضرت علیؑ کی تلوار اسلام کے دفاع میں نہ اٹھتی تو دشمن اسلام کی جڑ کاٹ دیتا۔امام کی تلوار ہمیشہ اسلام کے دفاع میں اٹھی تا کہ مسلمانوں کی جان، مسلمانوں کی سرزمین اور توحید کی نگہبانی کرے۔ [۲]

عدالت علیؑ

ایک دن حضرت علیؑ نے اپنی بیٹی زینبؑ کی گردن میں گلوبند دیکھا۔سمجھے کہ گلوبند ان کا اپنا مال نہیں۔ پوچھا یہ مال کہاں سے لیا؟ بیٹی نے جواب دیا میں نے بیت المال سے ادھار لیا ہے اور واپس کرنے کی ضمانت دی ہے۔ حضرت علیؑ نے فوراً بیت المال کے انچارج کو بلایا اور فرمایا تو یہ میری بیٹی کو دینے کا کیا حق رکھتا ہے؟ عرض کیا! اے امیر المومنین! یہ عاریتاً مجھ سے لیا گیا۔حضرتؑ نے فرمایا خدا کی قسم اگر ایسا نہ ہوتا تو میں

---

[۱] سیرۃ حلبی ج ۲، ۵ ۳۳

[۲] سیرۃ نبوی۔ ۳۴۔ ۱۳۳

اپنی بیٹی کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

ہمارے آئمہ و پیشواؤں کا جو کہ مجسمہ اسلام مسلمانوں اور اسلام کے حقیقی معلم تھے، ان کا یہ احساس تھا جس سے انہوں نے اجتماعی عدالت کا پتہ دیا۔ اگر ہمارا اسلامی انقلاب اپنی روش کو جاری رکھنا چاہتا ہے تو اپنے اعمال کے ساتھ اسی قسم کی عدالت کی روش اختیار کئے بغیر چارہ نہیں۔ [۱]

پرانا جوتا

حضرت علیؑ کی ظاہری حکومت کے زمانے میں ایک دن ابن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، جبکہ ان کے ہاتھ میں پرانا جوتا تھا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا اس جوتے کی کیا قیمت ہے؟ ابن عباس نے کہا کچھ بھی نہیں۔ امامؑ نے فرمایا۔ میرے نزدیک تمہاری اس حکومت کی وقعت اس پرانے جوتے سے بھی کم ہے مگر جب عدالت کے ذریعے کروں، حقدار کو حق پہنچاؤں یا باطل کو مٹاؤں۔

ہاں حضرت علیؑ ہر مرد الٰہی اور رجل ربانی کی طرح حکومت و سرداری کو ایک گھٹیا دنیوی کام سمجھتے تھے۔ اور اسے انسانی جاہ طلبی سمجھتے، جو زندگی کو بڑا حقیر کر دیتی ہے۔ اس کو تمام مادی مظاہر کی طرح خنزیر کی ہڈی سمجھتے، جو کھانے والے کے گھٹیا پن کو ظاہر کرتی ہے۔ آپ حکومت کو عدالت اور حقدار کو حق دینے اور معاشرے کی خدمت سمجھتے اور حریف کے ہاتھ کو روکنے کا سبب سمجھتے اور باغیوں کے ہاتھ سے اسلام کی دستبرد کا سبب سمجھتے۔ [۲]

لاجواب سوال

ایک مسافر کوفہ سے بغداد آیا اور اسماعیل بن علی حنبلی حنابلہ کے امام کے پاس گیا تو اسماعیل نے مسافر سے کہا کہ تم نے جو کچھ کوفہ میں دیکھا ہے بیان کر۔ مسافر نے سفر

---

[۱] پیرامون انقلاب اسلامی ص ۱۰۴

[۲] سیری در نہج البلاغہ۔ ۱۰۴

کے حالات بیان کرتے ہوئے غدیر کے دن اہل تشیع کا خلفاء پر شدید تنقید کرنے کا بڑے افسوس سے اظہار کیا۔ حنبلی فقیہ نے کہا ان کا کیا قصور ہے؟ اس دروازے کو خود علیؑ نے کھولا۔ اس آدمی نے کہا ہماری اس بارے میں کیا شرعی ذمہ داری ہے؟ اس تنقید کو درست سمجھیں یا نہ، اگر درست سمجھیں تو ایک طرف کو چھوڑنا پڑتا ہے اور اگر غلط سمجھیں تو دوسری جانب کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اسماعیل یہ سن کر مجلس سے اٹھ کر چلا گیا اور یہی کچھ کہا، یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا ابھی مجھے جواب نہیں ملا۔ [1]

آؤ مل کر فریاد کریں

ایک دن حضرت علیؑ نے ایک مظلوم کو فریاد کرتے ہوئے سنا۔ جو کہہ رہا تھا میں مظلوم ہوں اور مجھ پر ظلم ہوا ہے۔

حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا (آؤ دل جلے اکٹھے ہوں) آؤ مل کر فریاد کریں مجھ پر بھی ہمیشہ ظلم کیا گیا۔

شکوہ آمیز خاموشی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر بضعۃ الرسول، سیدہ زہرا کی اہانت کی جاتی ہے۔ غصے کی حالت میں گھر داخل ہوئیں، تو ایسے درد بھرے جملے کہے جو پہاڑ کو بھی اپنی جگہ سے اکھاڑ دیں۔ اپنے غیور خاوند سے کہتی ہیں، ابو طالب کے بیٹے گھر کے کونے میں کیوں بیٹھ گئے؟ تو وہی ہے جس کے خوف سے بہادروں کو نیند نہیں آتی تھی۔ اب ایک کمزور آدمی کے سامنے سست ہو گئے ہو، کاش! میں اس روز بد سے پہلے مر گئی ہوتی۔

علیؑ اپنی بے حد عزیز بیوی سے یہ الفاظ سن کر بے حد بے قرار ہو جاتے ہیں۔ یہ کون سی طاقت تھی جس نے علیؑ کو ہلا کر رکھ دیا۔ جناب سیدہؑ کی باتیں سن کر انہیں تسلی دیتے ہیں کہ نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے میں وہی ہوں جو تھا۔ البتہ مصلحت ہے حتیٰ کہ زہرا

---

[1] سیری در نہج ۱۵۷، ۵۸۔

مطمئن ہوگئیں اور ان کی زبان سے **حسبی اللہ ونعم الوکیل** سنتے ہیں۔ دوسرے دن پھر سیدہ اٹھنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ عین اسی وقت موذن کی آواز آتی ہے۔ **اشھد ان محمد رسول اللہ** حضرت علیؑ جناب زہراؑ سے فرماتے ہیں کیا تم چاہتی ہو کہ یہ آواز خاموش ہو جائے؟ کہا نہیں۔ فرمایا میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ میں وہی علیؑ ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جنگوں میں سب سے طاقتور تھا۔ اپنی حکومت کے زمانے میں بھی صفین، جمل و نہروان وغیرہ میں بھی آپ کی شجاعت و شہادت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن خلفاء کے مقابلے میں کیوں خاموش رہے اور صبر کیا یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب کلام علیؑ میں موجود ہے۔

نفس پر غلبہ

ایک دن حضرت علیؑ ایک قصاب کی دوکان کے سامنے سے گزرے، تو قصاب نے کہا یا علیؑ میں نے آج بہت اچھا گوشت بنایا ہے اگر چاہیں تو لے جائیں حضرت علیؑ نے فرمایا اب میرے پاس خریدنے کے لئے پیسے نہیں۔ عرض کیا پیسے بعد میں دے دیں۔ فرمایا میں اپنے بیٹے کو کہوں گا کہ صبر کرے۔ اگر میرے پاس رقم نہ ہو تو میں پیٹ کو صبر کرنے کو کہتا ہوں۔ اس طرح اب بھی اسے کہتا ہوں کہ صبر کرے۔

ہاں نفس آمارہ کی یہ خاصیت ہے کہ اگر تو اسے اپنا مطیع و تابع نہ کرے تو تجھے اپنے مطیع و تابع کرے گا۔ لیکن علیؑ جو کہ میدان جنگ میں عمرو بن عبدود اور مرحب سے مغلوب نہیں ہوتا اس سے بڑھ کر یہ نہیں چاہتا کہ ہوا و ہوس کا مغلوب ہو۔

شکر شہادت

مولا علیؑ کی عمر ابھی پچیس سال سے زیادہ نہیں ہوئی تھی اور حضرت زہراؑ کے ساتھ شادی کو بھی ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور حضرت حسن مجتبیٰ چند ماہ سے زیادہ عمر کے نہ تھے کہ جنگ احد ہوگئی۔

ایک خاندان کے جوان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی آہستہ آہستہ گزرے اور ہر روز زیادہ منظم و مربوط ہو۔لیکن اس کے برخلاف حضرت علیؑ گھر، زندگی اور بیٹے کو چھوڑ کر میدان جنگ میں نبرد آزمائی کے لئے آ گئے۔ جنگ کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ احد میں شہید ہونے والوں کی تعداد ستر تھی، جن کے سردار حمزہ بن عبدالمطلبؓ تھے، جو کہ احد کے بہادر تھے البتہ میں اس فیض سے محروم رہا اور شہادت مجھ سے دور رہی، جس سے مجھے بے حد پریشانی ہوئی کہ میں اس فیض سے کیوں محروم رہا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا علیؑ تو شہید ہوتا تو میں تیری شہادت پر کیسے صبر کرتا۔

علیؑ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہ فرمائیں کہ کس طرح صبر کرتا بلکہ فرمائیں کہ کس طرح شکر گزار ہوتا، یہ صبر کی جگہ نہیں بلکہ شکر کی جگہ ہے۔ [1]

آخری رمضان

آخری رمضان حضرت علیؑ کے لئے ایک اطمینان کا باعث تھا اور اہل بیت کے لئے اضطراب و پریشانی کا سبب تھا کیونکہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اظہار کیا تھا۔ جب علیؑ ان نشانیوں کو جو وہ خود جانتے تھے دیکھتے تو عجیب باتیں کہتے۔ عمر کے آخری رمضان میں ہر رات کسی عزیز کے مہمان ہوتے۔لیکن بہت کم کھاتے، بچوں کے دل باپ کے لئے کڑھتے، ان کی حالت پر روتے اور سوال کرتے! ابا جان آپؑ اتنی کم خوراک کیوں کھاتے ہیں؟ فرماتے تھے میں اس حالت میں خدا سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہ میرا پیٹ بھوکا ہو۔ اولاد یہ سمجھ گئی کہ ایک انتظار ہے جو کہ نزدیک ہے۔کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتے اور کہتے تھے میرے حبیب نے مجھے جو خبر دی ہے، وہ سچ ہے، ان کی بات جھوٹ نہیں۔نزدیک ہے، نزدیک ہے۔

ماہ رمضان کی انیسویں رات آ گئی۔آپؑ کی اولاد آپ کے پاس آئی تا کہ رات کا کچھ حصہ ان کے پاس گزاریں۔ کچھ وقت کے بعد امام حسنؑ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

---

[1] انسان کامل

حضرت علیؑ نے ہمیشہ کی طرح اس رات کو مصلے پر گزارا۔ کیونکہ آپؑ رات کو سویا نہیں کرتے تھے۔ جب معمولات زندگی اور اجتماعی کاموں سے فارغ ہوتے، تو مصلے پر چلے جاتے اور اپنے خدا کے ساتھ راز و نیاز کرتے، ابھی صبح طلوع نہیں ہوئی تھی کہ امام حسنؑ باپ کے مصلے کے پاس آئے۔ آپؑ نے ان کا خاص احترام کیا جو آپؑ اولاد زہراؑ کا کرتے تھے۔ پھر فرمایا پیارے بیٹے میں کل رات اسی طرح بیٹھا تھا کہ مجھے نیند آ گئی۔ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ہاتھوں بے حد پریشانی دیکھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نفرین! میں نے بھی نفرین کی اور خدا سے دعا مانگی کہ مجھے ان سے اٹھا لے اور مجھے موت دے اور میری بجائے ایک نالائق آدمی کو ان پر مسلط کر دے۔ ان پر ایسا ہی حکمران مسلط کرے جس کے یہ حقدار ہیں۔

یہ الفاظ سننے پر آپؑ کے عزیز و اقارب کتنے پریشان ہوں گے؟ جب علیؑ صحن خانہ میں آئے تو بطخوں نے آواز بلند کرنی شروع کی، فرماتے ہیں ہاں اب پرندوں کی بھی آواز ہے لیکن زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ انسانوں کے نوحہ کی آواز بلند ہوگی۔ آپؑ کے عزیزوں نے آپؑ کا دامن پکڑ کر کہا، ہم آپؑ کو مسجد نہیں جانے دیں گے، کسی نائب کو اپنی جگہ بھیج دیں۔ حضرتؑ نے پہلے تو فرمایا میرے بھانجے جعدہ بن جیرہ کو مسجد بھیج دیا جائے تا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ لیکن بعد میں فرمایا نہیں میں خود جاتا ہوں۔

عرض کیا گیا کوئی محافظ ہمراہ لے جائیں، فرمایا نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے ہمراہ جائے۔

وہ رات علیؑ کے اطمینان کی رات تھی۔ لیکن ایک ہیجان بھی تھا کہ کتنا عظیم حادثہ درپیش ہے۔ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ صبح کی اذان کا وقت قریب ہے۔ ہمیشہ کی طرح خود اذان کہی، اذان ختم کی تو صبح کی سفیدی نظر آئی فرمایا اے صبح! اے سفیدی! اے فجر! جب سے علیؑ نے دنیا میں آنکھ کھولی ہے کیا کوئی ایسا دن آیا کہ تو ہوئی ہو اور علیؑ سویا ہوا ہو؟ یعنی

اے سفیدی! اس کے بعد تو علیؑ کی آنکھ کو ہمیشہ سویا ہوا پائے گی۔

جب گلدستہ اذان سے اترے تو اس مضمون کے شعر کہہ رہے تھے۔ مجاہد مومن کی راہ کو کھولیں۔ اس کے بعد خود ہی ایک مجاہد مومن کی تعریف کرتے ہیں۔ پھر لوگوں کے اضطراب و پریشانی کو زیادہ کرتے ہیں، آپؑ نے فرمایا تھا کہ اس صبح کے بعد نوحہ ہے۔

اچانک ایک آواز بلند ہوئی، جس نے سب کو متوجہ کیا۔ ایک آواز جو ہر جگہ سنی گئی۔ خدا کی قسم کہ ارکان حکومت کا دروازہ ٹوٹ گیا اور علم نبوت کے ستارے تاریک ہو گئے اللہ کی **عروۃ الوثقی** لپیٹ لی گئی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے مارے گئے، سید الا دصیا علی المرتضیٰؑ شہید ہو گئے، انہیں بد بخت ترین آدمی نے شہید کر دیا۔

جب آپ بستر علالت پر تھے تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم جب ضرب میرے سر پر لگی تو میری مثال اس عاشق کی مثال تھی کہ جو اپنے معشوق تک پہنچ گیا ہو، اس آدمی کی طرح جو اندھری رات میں پانی کی تلاش میں تھا۔ اگر اس تاریکی میں پانی کا کنواں پالے تو کتنا خوش ہو جاتا ہے، میری مثل اس آدمی کی ہے۔

اسید بن عمرو جس نے جندی شاہ پور سے طب پڑھی تھی وہ عرب میں رہتا تھا، ان دنوں کوفہ میں تھا اسے بلایا گیا، وہ آیا اور امیر المومنین علیہ السلام کا زخم دیکھا۔ اس زمانے کے وسائل کے مطابق سمجھ گیا کہ زہر خون میں سرایت کر گیا ہے۔ اس لئے علاج سے عاجز ہو گیا اور عرض کیا امیر المومنین علیہ السلام اگر آپ علیہ السلام نے کوئی وصیت کرنی ہو تو کر لیں! یہ اندازہ پہلے ہی ہو گیا تھا۔ کیونکہ جب ام کلثوم نے قاتل کو دیکھا تو اس سے کہا آخر میرے باپ نے تیرے ساتھ کیا کیا تھا کہ تو نے یہ کام کیا؟ اس کے بعد فرماتی ہیں امید ہے میرے والد سلامتی پائیں گے اور تو روسیاہ ہوگا۔

جب ام کلثوم نے یہ جملہ کہا تو اس ملعون نے گالیاں دینی شروع کیں اور کہا۔ اے علی علیہ السلام کی بیٹی تسلی رکھ میں نے یہ تلوار ہزار درہم یا ہزار دینار میں خریدی ہے اور ہزار درہم یا ہزار دینار، اس کو زہر میں بجھانے کے دیئے اور جو زہر میں نے اس تلوار پر

ملا نہ صرف تیرے باپ کے لئے بلکہ اگر سارے اہل کوفہ کے سر پر ماری جاتی تو سارے کے سارے ہلاک ہوجاتے۔ مطمئن رہو کہ تمہارا باپ نہیں بچے گا۔ [1]

دشمن کی یہ دشمنی اور علی علیہ السلام کی عظمت کہ جب ان کے لئے غذا لائی گئی تو آپ کھا نہیں سکتے تھے، دودھ لایا گیا تو تھوڑا سا پیا اور باقی قاتل کو پینے کو دیا۔ اس کے بعد وصیت کرنی شروع کی۔

اس قاتل سے اچھا سلوک کرنا۔ اے اولاد عبدالمطلب میری وفات کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگوں سے الجھ پڑو اور کہو کہ امیر المومنین علیہ السلام اس طرح شہید ہوئے اور اس کام کا فلاں محرک تھا۔ جسے مہتہم کرو، بالکل ان باتوں میں نہ پڑنا۔ میرا قاتل صرف ایک آدمی ہے پھر امام حسن علیہ السلام کی طرف رخ کر کے فرمایا بیٹا حسن قاتل نے تیرے باپ کو صرف ایک ضرب لگائی تو بھی اس کو ایک ہی ضرب لگانا۔ اگر اس ضرب سے مر جائے تو مر جائے اگر نہ مرے تو اس کو مارنے پر بضد نہ ہونا۔ تھوڑی دیر گزری تو پھر قاتل کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کیا تم نے اسے کھانا دیا؟ پانی دیا؟ دشمن کے ساتھ یہ سلوک آپ کی مردانگی اور انسانیت کی بلندی ہے کہ جب بستر مرگ پر پڑے ہیں اور لحظہ بہ لحظہ آپ کی حالت خراب ہو رہی ہے، زہر جسم میں زیادہ سے زیادہ اثر کر رہا ہے، اصحاب بے آرام ہو رہے، اور رو رہے ہیں، لیکن علی علیہ السلام کے ہونٹوں پر تبسم ہے۔ اس واقعہ پر رضائے الٰہی کا اظہار کرتے ہیں۔ عمر کا چراغ گل ہونے کو ہے، سارے رشتہ دار بستر کے گرد جمع ہو گئے، زہر نے آپ علیہ السلام کے جسم میں پوری طرح اثر کر لیا۔ جس سے کبھی جسم مبارک کا رنگ تبدیل ہوتا ہے، کبھی غشی طاری ہو جاتی ہے۔ جب قدرے افاقہ ہوتا ہے تو پھر نصیحت کرتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی آخری نصیحت بڑی پر جوش ہے جو بیس حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلے حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کو مخاطب کیا پھر ساری اولاد اور اس کے بعد

---

[1] انسان کامل

قیامت کے لوگوں کو آواز دی۔ گویا آپ کا پیغام قیامت تک کے لوگ پڑھ سکتے ہیں

کلام علی علیہ السلام کی تاثیر

علی علیہ السلام کے باوفا دوستوں میں سے ایک، ھمام بن شریح ہیں۔ان کا دل ہمیشہ عشق خدا سے سرشار اوران کی روح میں معنوی آگ بھڑکتی رہتی۔ایک دن بڑے اصرار اور لجاحت سے حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ آنحضرت علیہ السلام حقیقی پارساؤں کی جامع نشانی بتائیں۔علی علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو ناامید کرتے اور دوسری طرف اس بات سے ڈرتے تھے کہ ھمام سننے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔اس لئے آپ نے اس موضوع پر مزید گفتگو جاری نہ رکھی لیکن ھمام راضی نہ ہوا اوران کے شوق کی آگ تیز ہوئی۔ زیادہ اصرار کیا اور قسم دی کہ وضاحت سے بیان فرمائیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے گفتگو شروع کی اور تقریباً ایک سو پانچ صفات متقین کی بیان کیں۔ابھی سلسلہ جاری تھا حضرت علی علیہ السلام کی گفتگو جتنی طویل ہوتی گئی ھمام کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی گئی،اور اس کی بے چین روح زیادہ بے چین ہوتی گئی اور قیدی پرندے کی طرح جسم کے پنجرے کو توڑنا چاہتی تھی۔اچانک اسی دوران ایک ہولناک آواز نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا،فریاد کرنے والا ھمام کے سوا کوئی نہ تھا۔جب اس کے سرہانے پہنچے تو وہ فوت ہو چکا تھا۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا میں اسی بات سے ڈرتا تھا بلیغ گفتگو،مستعد دلوں کے ساتھ اسی طرح کرتی ہے حضرت علی علیہ السلام کے معاصرین کا آپ کے فرامین پر اسی طرح کا عمل تھا۔

اصحاب علی علیہم السلام

جب علی علیہ السلام جنگ صفین سے واپس آرہے تھے تو آپ کے اصحاب میں سے ایک آدمی آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی۔

یا علی علیہ السلام میں چاہتا ہوں کہ میرا بھائی بھی جنگ میں شریک ہوتا اور آپ کے

ہمرکاب ہوکر فیض پاتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نیت کیا تھی؟ اس کا ارادہ کیا تھا؟ کیا تیرا بھائی معذور تھا، جس کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ کر سکا یا بغیر کسی عذر کے جنگ میں شرکت نہ کی اور نہ آیا؟ اگر معذور نہ تھا اور نہ آیا تو بہتر ہوا کہ نہ آیا اور اگر کوئی عذر رکھتا تھا اور نہ آسکا لیکن اس کا دل توجہ ہماری طرف تھی اور ہمارے ساتھ آنے کا ارادہ کیا تو ہمارے ساتھ ہے۔

اس آدمی نے عرض کیا۔ ہاں یا امیر المومنین علیہ السلام اسی طرح تھا یعنی اس کی نیت یہ تھی کہ ہمارے ساتھ ہو۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا نہ صرف تیرا بھائی ہمارے ساتھ تھا بلکہ وہ تمام ہمارے ساتھ ہیں جو ابھی ماؤں کے ارحام اور باپوں کے اصلاب میں ہیں اور قیامت تک جن بھی لوگوں کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش ہم علیہ السلام کے زمانے میں ہوتے اور ان کے ہمرکاب ہوکر جنگ کرتے، ہم ان کو اپنے اصحاب میں شمار کرتے ہیں۔

دوسروں کو ترجیح

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں لڑکپن میں ایک رات جاگتے ہوئے اپنی والدہ زہراؑ کو نماز شب میں مشغول دیکھتا رہا۔ جب نماز ختم کر چکیں تو میں متوجہ ہوا۔ کہ ایک ایک مسلمان کا نام لے کر اس کے لئے دعا کر رہی ہیں۔ میں نے جاننا چاہا کہ اپنے لئے کس طرح دعا مانگتی ہیں۔ لیکن مجھے بڑی حیرانگی ہوئی کہ انہوں نے اپنے لئے دعا نہ کی۔ میں نے اگلے دن ان سے سوال کیا کہ آپ علیہا السلام نے سب کے لئے دعا کیوں کی اور اپنے لئے کیوں نہ کی؟ فرمایا یا بنی الجار ثم الدار پہلے ہمسایہ بعد میں اپنا آپ!

امام موسیٰ علیہ السلام ہارون کے دربار میں

۱۷۹ ہجری میں ہارون الرشید عباسی حج کے ارادے سے بغداد سے باہر نکلا۔ پہلے مدینہ گیا اور وہیں شیعوں کے امام ہفتم کو قید کرنے کا حکم دیا۔ مدینہ کے لوگ برہم ہوئے اور مدینہ میں ایک شور مچ گیا۔

ایک رات ہارون نے امام علیہ السلام کو ایک بند محمل میں بصرہ روانہ کرنے کا حکم دیا اور آپ علیہ السلام کو اپنے چچا کے بیٹے عیسیٰ بن جعفر عباسی حاکم بصرہ کے سپرد کیا۔ وہاں آنحضرت علیہ السلام کو قید کر دیا گیا۔ ایک دن بعد لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے حکم دیا کہ ایک اور بند محمل کوفہ کی طرف بھیجا جائے تاکہ لوگ خیال کریں کہ آنحضرت علیہ السلام کو کوفہ لے جایا گیا۔ لوگ مطمئن ہو جائیں گے کیونکہ کوفہ میں آنحضرت علیہ السلام کے دوست اور شیعہ تھے دوسری طرف اگر کچھ لوگ آپ علیہ السلام کو چھڑوانا چاہیں تو آپ علیہ السلام کو راستے سے لوٹا لائیں تاکہ لوگوں کی توجہ کوفہ کی جانب ہو جائے۔ امام علیہ السلام ایک سال بصرہ کے زندان میں رہے۔ ہارون نے عیسیٰ کو حکم دیا کہ زندان ہی میں امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کا کام تمام کر دو۔ لیکن عیسیٰ اس پر تیار نہ ہوا کہ امام کے خون میں شرکت کرے۔ ہارون کو لکھا:۔

میں نے ایک سال کے عرصے میں اس مرد سے سوائے عبادت کے کچھ نہیں دیکھا۔ یہ عبادت سے نہیں تھکتا۔ میں نے لوگ مقرر کیئے کہ اس کی دعا سنیں، کہیں تم پر یا مجھ پر نفرین تو نہیں کرتا؟ مجھے اطلاع ملی ہے کہ ان چیزوں کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا۔ خدا سے سوائے طلب رحمت و مغفرت کے کوئی چیز زبان پر نہیں لاتا۔ میں اس قسم کے آدمی کے خون میں ہاتھ نہیں رنگتا اور اس کو اس سے زیادہ قید نہیں رکھ سکتا۔ میرے پاس سے واپس بلا لے ورنہ میں رہا کر دوں گا۔

ہارون نے امام علیہ السلام کو بصرہ سے بغداد لانے کا حکم دیا، تاکہ فضل بن ربیع کے قید خانے میں لے جائیں۔ ہارون نے فضل بن ربیع کو حکم دیا کہ امام علیہ السلام کو شہید کر دے۔ اس نے بھی قبول نہ کیا۔ اس نے بھی امام علیہ السلام کو زندان سے نکال دیا۔ پھر آپ کو فضل بن یحییٰ برمکی کی تحویل میں دیا گیا۔ فضل نے قید خانہ کی بجائے گھر کا ایک کمرہ امام علیہ السلام کے لئے مخصوص کر دیا اور آپ کی خدمت کا حکم دیا۔ اسے اطلاع دی گئی کہ اس قیدی کا شب و روز سوائے نماز و دعا اور تلاوت کے کوئی کام نہیں، اکثر دنوں کو روزہ رکھتے ہیں اور سوائے عبادت کے کسی طرف توجہ نہیں کرتے۔ فضل بن یحییٰ نے

آپ علیہ السلام کا احترام کرنے اور آپ علیہ السلام کی آسائش کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔ ہارون کو جاسوسوں نے خبر دی جبکہ وہ بغداد کی بجائے رقہ میں تھا، اس نے فضل کو بڑا سخت حکم بھیجا کہ امام علیہ السلام کو شہید کر دے، لیکن فضل تیار نہ ہوا۔

ہارون سخت حیران ہوا اور اپنے خاص غلام مسرور کو دو خط ایک سندی بن شاہک اور دوسرا عباس بن محمد کے لئے دے کر بھیجا اور حکم دیا کہ مسرور تحقیق کرے۔ اگر موسیٰ بن جعفر فضل کے گھر آرام میں ہوں تو فضل کو مارنے کے لئے ایک تازیانہ بھیجا کہ اس سے اسے مارا جائے۔ فضل بن یحییٰ نے تازیانے کھائے۔ مسرور نے بغداد سے رقہ، ہارون کو بذریعہ خط واقعات لکھے۔ ہارون نے حکم دیا کہ امامؑ کو فضل بن یحییٰ سے اپنی تحویل میں لے کر سندی بن شاہک جو کہ غیر مسلم اور انتہائی سخت و ظالم تھا اس کے حوالے کر دیں۔

ضمناً ایک دن رقہ میں لوگوں کے اجتماع سے خطاب کیا کہ فضل بن یحییٰ نے میرے حکم کی مخالفت کی۔ میں اس پر لعنت کرتا ہوں، تم بھی لعنت کرو۔ لوگوں نے ہارون کی خوشامد کے لئے فضل بن یحییٰ پر لعنت کی۔ جب یہ خبر فضل کو پہنچی تو اس نے اپنے والد یحییٰ بن خالد برمکی کو اطلاع دی وہ رقہ آیا اور بیٹے کی طرف سے معذرت کی۔

سندی بن شاہک کا قید خانہ

امام سندی بن شاہک کے قید خانے میں زندگی گزار رہے تھے کہ ایک دن ہارون نے ایک آدمی کو بھیجا کہ حضرتؑ کے حال سے آگاہی حاصل کرے خود سندی بھی اس آدمی کے ساتھ زندان میں گیا۔ امامؑ نے اس آدمی سے پوچھا تجھے کیا کام ہے؟ ایلچی نے کہا مجھے خلیفہ نے آپؑ کا حال معلوم کرنے کو بھیجا ہے۔ امامؑ نے فرمایا اسے میری طرف سے کہہ کہ ان دنوں سے جو بھی سخت دن مجھ پر گزرتا ہے اسی طرح تیری خوشی کا دن بھی گزر جائے گا جب وہ دن آئے گا تو تو اور میں ایک جگہ اکٹھے ہوں گے وہ جگہ کہ جہاں اہل باطل اپنی زیاں کاری سے واقف ہوں گے۔

کچھ عرصہ بعد ہارون نے فضل بن ربیع کو بھیجا فضل کہتا ہے کہ جب میں وہاں

پہنچا تو میں نے آپ علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا مجھے آپؑ کے رعب کے باعث بیٹھنے کی جرات نہ ہوئی میں نے کھڑے ہو کر اپنی تلوار پر ٹیک لگائی۔ جب نماز ختم ہوگئی تو بھی میری طرف توجہ نہ کی اور بغیر وقفہ کے دوسری نماز شروع کر دی اسی طرح لگا تار نماز جاری رکھی اور میری طرف مطلق توجہ نہ کی آخر کار جب ایک نماز ختم ہوئی تو دوسری نماز شروع کرنے سے پہلے میں نے بات شروع کر دی کہ خلیفہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ خلیفہ وامیر المومنین کے لقب سے آپ علیہ السلام کو مخاطب کروں اور اس کی طرف سے پیغام دوں کہ آپ علیہ السلام کے بھائی ہارون نے سلام بھیجا ہے۔ آپ علیہ السلام کے بارے میں جو اطلاع ہمیں ملی تھی وہ غلط فہمی پر مبنی تھی اب معلوم ہوا ہے کہ آپ علیہ السلام کی کوئی غلطی نہ تھی۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں اور مدینہ نہ جائیں۔ آپ جس قسم کی غذا پسند کریں آپ کو مہیا کی جائے۔ فضل آپ کی خدمت داری پر مقرر ہے۔ حضرت علیہ السلام نے فضل کو دو کلمات میں جواب دیا میرے مال سے کوئی چیز یہاں نہیں ہے کہ میں اس سے استفادہ کروں اور خدا نے مجھے مانگنے اور خواہش کرنے والا پیدا نہیں کیا ہے کہ تم سے خواہش و تقاضا کروں۔ آپ علیہ السلام نے ان دو باتوں سے اپنی بے مثال مستغنی اور قانع طبیعت کو ثابت کیا اور سمجھایا کہ قید خانہ آپ کو زبوں حال نہیں کر سکتا۔ یہ دو باتیں کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اللہ اکبر کہا اور اپنی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

امام صادق علیہ السلام کے گھر مجلس

ابو ہارون ایک نابینا لیکن اچھا شاعر تھا کبھی کبھی حضرت ابا عبداللہ علیہ السلام کی شہادت و مظلومیت پر مرثیہ کہتا وہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں شمار ہوتا تھا۔ ایک دن امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا حضرت نے فرمایا اے ابو ہارون تو نے مرثیہ کے جو اشعار میرے جد پر کہے ہیں ہمارے سامنے پڑھ ابو ہارون نے کہا میں حاضر ہوں۔ امام علیہ السلام نے پڑھنے کو کہا، عورتیں بھی پس پردہ آئیں ابو ہارون نے جو تازہ اشعار کہے تھے پڑھنے شروع کئے ابھی پانچ مصرعے نہیں پڑھے تھے کہ امام صادق علیہ السلام کے گھر آہ

وزاری شروع ہوگئی۔امام علیہ السلام اس طرح رو رہے تھے کہ آپ کے کندھے بھی حرکت کرنے لگے آپ علیہ السلام کے گھر سے گریہ وزاری کی بلند آوازیں آنے لگیں آخر امام علیہ السلام نے فرمایا اب کافی ہے۔[1]

کتنے حاجی کم ہیں

حج کا موسم تھا، امام سجاد علیہ السلام بھی مکہ کے نزدیک تھے۔آپ کے ایک ساتھی نے عرفات کی طرف دیکھا ہزارہا آدمیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا اجتماع نظر آیا، تو خوش ہوکر امامؑ سے عرض کیا الحمدللہ امسال کتنے زیادہ حاجی ہیں۔امام علیہ السلام نے جواب دیا کتنا زیادہ شور ہے اور حاجی کتنے کم ہیں۔وہ آدمی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ امامؑ نے کیا کیا اور مجھے کیا نظر دی اور کس طرح میری آنکھ بینا کردی کہ مجھ سے فرمایا اب دیکھ جب میں نے دیکھا تو میں نے صحرا حیوانوں سے بھرا ہوا دیکھا گویا ایک مکمل چڑیا گھر تھا صرف چند ایک آدمی ان حیوانوں میں حرکت کررہے تھے۔حضرتؑ نے فرمایا اب دیکھ لیا حقیقت میں یہ ہے دراصل انسان حیوان کی طرح سوائے کھانے، پینے، سونے اور جنسی عمل کے کچھ نہیں سمجھتا اس کی اصل روح چوپائے کی ہے اور اس کا باطن واقعتاً مسخ شدہ ہے یعنی اپنی حقیقت انسانی اور انسانیت کو مکمل طور پر بھول گیا ہے۔

لوگ قیامت کے دن بھی گروہ در گروہ محشور ہوں گے پیشوایان دین نے بار بار آگاہ کیا ہے کہ صرف ایک گروہ انسانی صورت میں محشور ہوگا اور دوسرے گروہ حیوانوں کی صورت چیونٹیوں، بندروں، بچھوؤں، سانپوں اور چیتوں کی شکل میں اٹھیں گے۔[2]

وسیع منزل

ایک دن امام صادق علیہ السلام اپنے اصحاب میں سے ایک کے گھر گئے۔اسے

---

[1] سیرۃ نبی۔۹۸،۹۷

[2] انسان کامل۔۱۶،۱۵

دیکھا کہ باوجود بیوی، بیٹا اور گھر کا اسباب ہونے کے بڑی گھٹیا زندگی گزار رہا تھا اور گھر والوں کو رنج وزحمت میں ڈال رکھا تھا۔

حضرت نے پوچھا ایسی زندگی کیوں گزارتا ہے جب تو عورت و بیٹا رکھتا ہے اور وسائل بھی ہیں پھر کشادگی کیوں نہیں اختیار کرتا۔عرض کیا یا بن رسول اللہ یہ گھر میرے باپ کا ہے میں اس جگہ متولد ہوا ہوں۔میرا باپ اور دادا یہاں پیدا ہوئے اور اس میں زندگی گزاری میں نہیں چاہتا کہ اپنے باپ کے گھر سے باہر جاؤں

امامؑ نے بڑی صراحت سے فرمایا فرض کرو تمہارے باپ اور دادا میں سے کوئی بھی شعور نہیں رکھتا تھا۔کیا تو بھی چاہتا ہے کہ باپ اور دادا کی طرح بے شعور ہی رہے؟ بیوی بچوں کو اٹھا اور اس جگہ کو چھوڑ دے (میں اس جگہ پیدا ہوا ہوں اس جگہ کا خوگر ہوا ہوں۔ باپ دادا اسی جگہ پیدا ہوئے یہ سب باتیں ہیں) اسلام کے دستوررات میں بھی آیا ہے کہ **من سعادۃ الانسان سعۃ الدار** یعنی انسان کی سعادتوں میں سے ایک یہ ہے کہ تیرا گھر وسیع ہو اور اگر کسی کے لئے امکان ہو کہ آسائش پائے اور پھر وہ خاندان کو رنج وزحمت دے تو گویا اس نے اپنے بیوی بچوں پر خود ظلم کیا۔لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مکان میں وسعت و کشادگی اور سادگی ہو،زیبائش زرق و برق نہ ہو اسلام پہلی بات کو ممدوح اور دوسری کو مذموم سمجھتا ہے۔

سسر کے لئے کام

موسیٰ علیہ السلام جو کہ فرعونی لشکر کی مخالفت کی وجہ سے مصر سے فرار ہوئے تھے۔ جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو شعیب پیغمبر کی بیٹیوں کو دیکھا کہ اپنی بھیڑوں کو پانی پلانے کے لئے وہاں لائیں ایک کونے میں کھڑی تھیں اور کوئی ان کی حالت پر ترس نہیں کرتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ترس آیا اور ان کی بھیڑوں کے لئے پانی نکالا۔لڑکیوں نے گھر جا کر باپ کو دن کے حالات بتائے انہوں نے ایک بیٹی کو موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے بھیجا اور انہیں اپنے پاس بلوایا اس طرح ایک دوسرے سے آشنا ہوئے۔ایک دن شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے

کہا میں اپنی ایک بیٹی کو تیری زوجیت میں دینا چاہتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ تو آٹھ سال میرا کام کرے اور اگر تیرا دل چاہے تو دو سال کا اضافہ کر کے میرے لئے دس سال کام کر۔

موسیٰ علیہ السلام نے قبول کیا اور اس طرح شعیب علیہ السلام کے داماد ہوئے یہ داماد کا سسر کے لئے کام کرنا اسلام سے قبل کی رسم تھی۔ اس رسم کی بنیاد دو چیزیں ہیں پہلی دولت نہ ہونا، جو خدمت داماد سسر کے لئے کر سکتا ہے اس کا انحصار اس کے لئے کام کرتا ہے۔ دوسری جہیز کی رسم کیونکہ بیٹی کو باپ کی طرف سے جہیز دینا پرانی رسوم میں سے ہے اور باپ اس لئے کہ اپنی بیٹی کے لئے جہیز تیار کے اس کے لئے ضروری ہے کہ داماد کو اجیر کرے اور بیٹی کے لئے جہیز بنائے۔

اسلام میں یہ طریقہ منسوخ ہوا سسر کو حق نہیں کہ مہر کو اپنا مال سمجھے، خواہ وہ اس کو بیٹی کے لئے خرچ کرنا چاہے کیونکہ مہر کی مالک بیٹی ہے جس طرح چاہے خرچ کرے۔

وادی نمل

حضرت سلیمان علیہ السلام نبی اپنے لشکر کے ہمراہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے اس دوران ایک چیونٹی نے ساری چیونٹیوں کو مخاطب کیا اور کہا اے چیونٹیوں اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سنی تو مسکرائے اور کہا۔

> خدایا! مجھے توفیق دے کہ تو نے مجھے، میرے والد اور میری والدہ کو جو نعمت عنایت کی ہے اس پر شکر ادا کروں اور جو کام تیری رضا کے مطابق ہو، انجام دوں۔ خدایا! مجھے اپنے نیک بندوں میں، اپنی رحمت و کرم کے صدقے شامل کر۔ [1]

ایک مسئلہ جو خداوند حکیم کی قدرت کی نشانی ہے اسی چیونٹی جیسی چھوٹی مخلوق کی خلقت ہے کہ وہ چھوٹا سا جسم رکھتی ہیں لیکن وہ جسم کی ساخت، سننے کی طاقت اور اجتماعی و

[1] سورۂ نمل

منظم زندگی رکھتی ہیں۔اس نے علم حیوانات کے ماہرین کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور سینکڑوں دانشمندوں نے اپنی عمریں اسی بارے میں گزاردی ہیں۔ [۱]

گناہ کی شرائط

ایک خوبصورت جوان، غیر شادی شدہ ہے، وہ جس جگہ بھی جاتا عورتیں اس کے پیچھے بھاگتیں ایسا دن نہیں گزرتا تھا کہ جس دن اس کے نام سینکڑوں خطوط نہ آتے اور سینکڑوں پیغام اس کے لئے نہ آتے۔ اس سب سے بڑھ کر خوبصورت ترین مصر کی سینکڑوں عورتیں اس پر عاشق ہوگئیں۔اس کے لئے شہوت پیدا کرتیں، تمام امکانات تیار اور سارے دروازے بند ہیں، اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں، عورت اسے کہتی ہے یہ کام کر ورنہ میں تجھے قتل کرا دوں گی اور تیرا خون بہاؤں گی۔ان حالات میں یوسف علیہ السلام کیا کرے؟ ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتا ہے اور عرض کرتا ہے۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ

اے پروردگار! جس بات کی یہ عورتیں خواہش رکھتی ہیں اس کی نسبت قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ان عورتوں کے فریب کو مجھ سے دفع فرما۔ [۲]

تبلیغ میں قابلیت

موسیٰ بن عمران علیہ السلام بھائی کے ہمراہ فرعون کے دربار میں گئے جبکہ انہوں نے پشمینہ کے لباس پہن رکھے تھے اور ہاتھوں میں عصا تھے۔ انہوں نے فرعون کو دعوت حق دی اسے بڑی سنجیدگی سے کہا اگر تو نے ہماری دعوت قبول نہ کی تو تیری حکومت کا زوال ہوگا

---

[۱] کتاب بیست گفتار۔۲۴۸

[۲] سورۂ یوسف: ۳۳

اور اگر ہماری دعوت قبول کر لی اور جو راہ ہم کہتے ہیں اس پر چلا تو ہم تیری عزت کے ضامن ہیں۔فرعون نے بڑے تعجب سے کہا ان کو دیکھو کہ ان کی پیروی کی صورت میں مجھے عزت ملے گی ورنہ میری حکومت کو زوال آئے گا۔پیغمبر اس حکم پر جس پر اپنے آپ کو مبعوث ہونے کا احساس کرتے ہیں اور اپنی رسالت کی تردید نہیں کرتے، اسی قسم کی قطعیت سے اپنے پیغام کی تبلیغ کرتے ہیں اور اس کا دفاع کرتے ہیں۔ [1]

[1] وحی و نبوت۔۲۰

فصل دوم

مجاہدوں اور عالموں کی زندگی

مرد حق و حقیقت

ادیب، محقق، حکیم ربانی، فقھیہ، بزرگوار عالی قدر، طبیب عالم ربانی مرحوم آقائی حاج میرزا علی آقا شیرازی اصفہانی قدس اللہ سرہ واقعی مرد حق و حقیقت تھے۔ خودی سے نجات پا کر حق سے پیوستہ تھے ان تمام علمی مقامات اور اجتماعی اعزازات کے باوجود حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے ساتھ عشق سوزاں رکھتے اور عوام کو ارشاد و ہدایت دیتے تھے جب منبر پر جاتے اور وعظ کرتے، چونکہ آپ کی بات دل سے نکلتی تھی اس لئے دلوں پر اثر کرتی۔

وہ جب بھی قم آتے تو قم کے علماء بہت اصرار سے آپ کو منبر پر لاتے ان کا منبر قال سے زیادہ حال ہوتا تھا۔ جماعت کی امامت سے پرہیز کرتے تھے ایک سال ماہ رمضان میں بڑے اصرار سے آپ کو جماعت کرانے پر مجبور کیا گیا کہ ایک مہینہ مدرسہ صدر اقامہ میں جماعت کرائیں۔ لگاتار نہیں آتے تھے اور مقررہ وقت پر باقاعدگی سے نہیں آتے تھے، پھر بھی پہلے سے زیادہ لوگ جماعت میں شامل ہوتے، حتیٰ کہ اردگرد کی جماعتوں میں تعداد کم ہوگئی جب ان کو یہ پتہ چلا تو جماعت کرانا چھوڑ دیا۔

اصفہان کے لوگ آپ کے بہت عقیدت مند تھے اسی طرح آپ حوزہ علمیہ قم میں آتے تو علماء بڑے اشتیاق سے آپ کو ملنے آتے لیکن آپ مریدی کی قید سے آزاد تھے رحمۃ اللہ علیہ۔ [1]

گفتگو کا بادشاہ

شکیب ارسلان جن کا لقب، میر البیان ہے موجودہ زمانے کے لکھنے والوں میں سے ایک زبردست عرب لکھاری ہیں۔ مصر میں ان کے اعزاز میں ترتیب دیئے گئے ایک جلسہ میں ایک مصری نے سٹیج پر دوران گفتگو کہا کہ تاریخ اسلام میں دو ہی آدمی ہیں جن کو امیر سخن کہلانے کا حق ہے۔ ایک علی بن ابی طالب علیہ السلام اور دوسرے شکیب۔ جب یہ بات شکیب نے سنی تو بڑی بے قراری سے سٹیج پر آیا اور اس مقرر سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

میں کہاں اور علی بن ابی طالب کہاں! میں علی علیہ السلام کے جوتے کے برابر بھی نہیں ہوں۔

واقعی حق یہی ہے کیونکہ وحی اور کلام اللہ کے بعد علی علیہ السلام کے کلام سے جلیل وعمدہ کلام کسی کا نہیں ہے اور اسی طرح ہونا چاہئے، کیونکہ علی علیہ السلام سپاہ سخن کے سالار اور گفتگو کے بادشاہ ہیں ان کے کلام میں خدائی حکمت اور نبوی گفتگو کی خوشبو موجود ہے۔

شیعہ اور روحانیت

ابتدائی سالوں میں جب آیت اللہ بروجردی اعلیٰ اللہ مقامہ قم میں تھے تو تہران کے ایک مشہور تاجر نے شرعی وجوہ کے لئے بہت بڑی رقم ایک حوالے کے لحاظ سے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر ایک آدمی کے ذریعے آقا کی خدمت میں بھیجا۔ جب کاغذ کا ٹکڑا آیت اللہ کے ہاتھ میں دیا گیا تو آپ نے ایک طرف پھینک دیا اور فرمایا ہمیں اس قسم کی کوئی اور چیز نہ بھیجیں تم خیال کرتے ہو کہ تم نے ہم پر احسان کیا ہے روحانیت اس سے

[1] سیری در نہج البلاغہ۔ ۱۱، ۱۲

شریف تر عزیز تر بزرگ تر اور محترم تر ہے جس کے لئے اس قسم کی تحریر و رقم توہین آمیز ہیں۔

یہ شیعی راہبر ہے جو اپنی استغنا و بے نیازی کا پتہ دیتا ہے وہ تاجر خود قم آیا اور بے حد منت وزاری کی اور معافی مانگی حتیٰ کہ رقم قبول ہوئی۔ یہ ایک ایسا فخر ہے جو صرف شیعہ مجتہدین کو حاصل ہے کہ جو کسی مادی و دنیوی دولت اور حکومت و طاقت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے حتیٰ کہ اس کے لئے لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتے بلکہ شیعہ اپنے اعتقاد کی وجہ سے شرعی رقوم مجتہدین کو دیتے ہیں تا کہ شرعی بوجھ ادا کریں۔

سارے شیعوں کے مرجع

شیخ انصاری سارے شیعوں کے واحد مرجع تھے۔ایک غریب طالب علم نجف میں ان کے پاس آیا۔جس نے بالکل کچھ نہ پڑھا نہ محنت کی آپ کے پاس آکر کچھ رقم کا مطالبہ کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ رقم آپ کے پاس ہے آپ اس میں سے کچھ خرچ نہیں کرتے خود غریب ترین لوگوں کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ مجھے تو اس میں سے کچھ دیں فرمایا میرا کام کاشان کے گدھوں کے مالکوں کی طرح ہے کہ اصفہان تک جاتے اور لوٹ آتے ہیں اور جو رقم کاشان کے بعض لوگ انہیں دیتے ہیں۔ اصفہان سے ان کے لئے مال خریدتے ہیں کیا تم نے کبھی انہیں لوگوں کے مال میں خیانت کرتے دیکھا ہے نہیں جب وہ لوگوں کے امین ہیں تو ان کو یہ حق نہیں کہ لوگوں کے اموال میں خیانت کریں۔اسی طرح ہم بھی لوگوں کے امین ہیں اور کچھ وجوہات کی وجہ سے جو مال ہمارے سپرد ہوتے ہیں ہم ان سے اپنا فائدہ و نفع نہیں لیتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد ایک ذرہ برابر چیز بھی اپنے تصرف میں نہیں لاتے جو ان کے اخلاق و کردار کو تبدیل کر دے۔ [1]

---

[1] سیرۂ نبوی۔ ۳۰

فاخرہ لباس

مرحوم وحید بہبہانی شیعوں کے ایک بزرگ عالم، بحرالعلوم میرزاقمی اور کاشف الغطاء کے استاد تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جن کا کربلا معلیٰ میں حوزہ علمیہ اور درس تھا ان کے ان کے دو بیٹے تھے ایک آقا محمد علی جو کتاب مقامع کے لکھنے والے اور دوسرے آقا محمد اسماعیل۔

ایک دن مرحوم وحید نے دیکھا کہ آقا محمد اسماعیل کی بیوی نے فاخرہ لباس پہن رکھا ہے فوراً بیٹے کو اعتراض کے انداز میں کہا۔ تو بیوی کے لئے اس قسم کا لباس کیوں خریدتا ہے۔ بیٹے نے بڑا اچھا جواب دیا کہا قرآن کی آیت کے مطابق کہ اللہ فرماتا ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ

لیکن کیا یہ حرام ہے؟ لباس فاخرہ زیبا کو کس نے حرام کیا ہے۔؟ [1]

مرحوم وحید نے کہا بیٹے میں نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے حلال ہے لیکن میں ایک اور حساب سے کہتا ہوں۔ میں مرجع تقلید اور لوگوں کا راہنما ہوں۔ لوگوں میں امیر بھی ہیں فقیر بھی، یتیم بھی ہیں اور غیر مقیم بھی، عوام میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قسم کے بلکہ اس سے بھی فاخرہ لباس پہن سکتے ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں جو اس قسم کا لباس نہیں پہن سکتے۔ سوتی لباس پہنتے ہیں، بہت سے ایسے بھی لوگ ہیں جو بالکل نیا لباس نہیں پہن سکتے ان کا معیار زندگی بالکل معمولی ہے ایک غریب آدمی کی بیوی جب اس سے اچھے لباس کا مطالبہ کرتی ہے تو وہ اسے کہتا ہے کہ میں امیر آدمی نہیں ہوں البتہ آقا وحید کی طرح زندگی گزارتا ہوں۔ تیرا لباس آقا وحید کی بیوی یا بہو سے گھٹیا نہیں ہے۔ بیٹا اگر ہم بھی امیروں اور دولت مندوں کی طرح زندگی گزارنا شروع کردیں تو پھر غریب اپنے بیوی بچوں کو کیسے تسلی دے سکیں گے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہمیں زاہدانہ زندگی گزارنی چاہئے، تاکہ

---

[1] سورۃ الاعراف: ۳۲

ہمارا زہد فقرا کی ہمدردی ہو کل جب سارے لوگ فاخرہ لباس پہننے لگے تو ہم بھی پہن لیں گے۔

یہ سوچ سب لوگوں کی ہونی چاہئے لیکن امت کے راہنماؤں کا سب سے زیادہ فرض ہے۔

ذکر خیر

والد بزرگوار مرحوم حاج محمد حسین مطہری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جب سے مجھے یاد ہے (کم ازکم چالیس سال قبل) ان کو میں نے دیکھا کہ رات ہونے کے بعد تین گھنٹے گزرنے سے قبل نہیں سوئے۔ سرشام کھانا کھا لیتے اور رات کے تین گھنٹے گزر جاتے تو سوتے اور صبح کے طلوع ہونے میں کم ازکم دو گھنٹے باقی ہوتے تو بیدار ہو جاتے۔ لیکن شب جمعہ کو طلوع صبح سے تین گھنٹے قبل اٹھ بیٹھتے کم ازکم ایک پارہ قرآن کی تلاوت کرتے اور تسلی سے نماز شب پڑھتے۔

آخری سالوں میں جب کہ آپ کی عمر تقریباً سو سال ہوگئی تھی میں نے کبھی بھی آپ کو تسلی واطمینان سے سویا ہوا نہیں دیکھا ہر رات اپنے والد اور والدہ کے لئے دعا مانگتے تھے دور و نزدیک کے رشتہ داروں، واقف کاروں اور تعلق داروں کو بھی دعا میں کبھی نہ بھلاتے۔

جو آدمی اس قسم کی لذت سے فائدہ اٹھانا چاہئے اپنی مادی لذتوں کو کم کرے تا کہ اللہ سے تعلق سے لذت اٹھائے۔

عدالت سے بالاتر

مرحوم شیخ عبدالکریم حائری رضوان اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ مرحوم میرزا محمد تقی شیرازی رضوان اللہ علیہ جو کہ انتہائی بزرگ مراجع ہیں۔ ان کی عادت تھی کہ کبھی کسی کو حکم نہ دیتے تھے حتیٰ کہ آپ ایک دفعہ بیمار تھے اور ان کے گھر والے ان کے لئے خوراک تیار کر

رہے تھے خوراک تیار کر کے رکھ دی اور اہل خانہ کہیں باہر چلے گئے جبکہ بچے صحن خانہ میں موجود تھے۔ جب اہل خانہ واپس لوٹے تو دیکھا کہ خوراک ٹھنڈی ہوگئی اور آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی وجہ یہ تھی کہ مرحوم اس سوچ میں تھے کہ اگر کھانا شروع کریں تو چونکہ بیمار ہیں اور کمزور ہیں خود بیٹھ کر کھا نہیں سکتے اس لئے ایک بچے کو آواز دے کر بلانا پڑے گا تا کہ انہیں سہارا دے کر کھلائے وہ اس بارے میں شک میں تھے کہ بچے کو بلانا شرعاً جائز بھی ہے یا نہیں۔

عدالت کا کتنا بلند معیار ہے کہ باوجود انتہائی مجبوری و بے بسی کے بھی اپنے عزیز تک کو اپنی غرض کے لئے بلانے میں تردد ہے۔

ایثار

جنگ موتہ میں کچھ زخمی میدان جنگ میں پڑے تھے جب زخمی کے جسم سے خون نکل جاتا ہے تو پیاس غالب آجاتی ہے اور پانی کی شدید طلب ہوتی ہے ایک آدمی زخمیوں کو پانی پلا رہا تھا۔ ایک زخمی کے پاس پہنچا دیکھا کہ پیاسا ہے پانی پیالے میں ڈالا تا کہ اسے دے اس زخمی نے اشارہ کیا کہ پہلے پانی اس زخمی کو دے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے جب پیالہ لے کر اس کے پاس گیا تو ایک اور زخمی کی آواز آئی پانی، پانی، دوسرے زخمی نے بغیر پانی پیئے پیالہ واپس کر دیا کہ پہلے اس کو دے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے جب وہ پیالہ لے کر اس کے سرہانے پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا۔ وہ پیالہ لے کر دوسرے اور پھر پہلے کے پاس بھاگ کر آیا وہ دونوں بھی جان دے چکے تھے۔ اسے ایثار کہتے ہیں یعنی انتہائی ضرورت کے باوجود دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھنا اس میں کوئی شک نہیں کہ خدمت و محبت کی ایک قیمت ہے جو کہ ایک انسانی صفت ہے۔ [1]

---

[1] آخری صفحہ انسان کامل

آزادی کی قیمت

بزرگ دانشمند اور مشہور فلسفی بوعلی سینا جب وزارت پر متمکن تھے تو ایک دن صدر اعظم کے رعب و دبدبہ کے انداز میں ایک جگہ سے گزر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بیت الخلاء کے پاس سے گزرے جہاں ایک بھنگی صفائی میں مشغول تھا بوعلی سینا جو بے حد ذہین و تیز فہم تھے۔ انہوں نے بھنگی کو زیر لب شعر گنگناتے سنا اچھی طرح دھیان دیا تو کہہ رہا تھا

گرامی داشتم اے نفس از آنت

کہ آساں بگذرد بر دل جہانت

یعنی اپنے آپ کو کہہ رہا تھا کہ میں تجھے اس وجہ سے پسند کرتا ہوں کہ تیرے ساتھ خوش زندگی گزر رہی ہے۔

بوعلی ہنس پڑے کہ وہ مرد جو بھنگی کا پست ترین کام کرتا ہے وہ بھی اپنے نفس کو مطمئن پاتے ہوئے کہتا ہے

گرامی داشتم اے نفس از آنت

کہ آساں بگذرد بر دل جہانت

بوعلی سینا نے گھوڑا روکا اس کے پاس آیا اور کہا تو اپنے نفس کو کس طرح مطمئن سمجھ کر اسے گرامی سمجھتا ہے جبکہ تو پست ترین کام کرتا ہے۔ بھنگی نے بوعلی کی شکل وصورت حالت و وضع دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ یہ زمانے کے صدر اعظم بوعلی کے سوا اور کوئی نہیں ہے اس لئے بوعلی سے کہا میں نے یہ شغل اس لئے اختیار کیا ہے تا کہ تیری طرح کسی ایک آدمی کا محکوم نہ بن جاؤں۔ آزاد ہونا تیرے جیسے رؤسا سے بہتر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ میں اپنے کام میں آزاد اور تو محکوم و ماتحت ہے۔

بوعلی، بھنگی کی بات سن کر بے حد شرمندہ ہوا کیونکہ یہ ایک ایسی منطق تھی جس کا کوئی جواب نہ تھا یہ خود ایک حقیقت ہے کہ آزادی انسان کے لئے ایک بڑی نعمت و قیمت ہے جو انسان کو حیوان سے بلند کرتی ہے انسان کے لئے ایک ایسی نعمت ہے جس کی کوئی

مادی قیمت نہیں وہ انسان جس میں انسانیت کی بو ہے وہ بھوکا تو رہ سکتا ہے برہنہ بدن زندگی گزار سکتا ہے لیکن کسی کی قید میں نہیں رہنا چاہتا۔ [۱]

عادت سے ہجرت

مرحوم آیت اللہ حجت اعلیٰ اللہ مقامہ سگریٹ نوشی کرتے تھے۔ سگریٹ سے سگریٹ سلگاتے کوئی بھی ایسا وقت نہ ہوتا جب سگریٹ نہ لگا رکھا ہوتا بیداری کا سارا وقت سگریٹ سلگائے رکھتے۔ ایک بار بیمار ہو کر تہران آئے تو تہران کے اطباء نے فیصلہ کر دیا کہ چونکہ ٹی بی کی بیماری ہوگئی ہے اس لئے سگریٹ نوشی چھوڑ دیں پہلے تو غصے ہو کر کہا مجھے اس سینہ کی سگریٹ پینے کے لئے ضرورت ہے اگر سگریٹ نہ ہو تو سینہ کی کیا ضرورت؟ اطباء نے کہا بیماری خطرناک ہے جس کے لئے سگریٹ بے حد مضر ہے کہا اگر یہ ہے تو پھر نہیں پیوں گا میں نے اس کے بعد سگریٹ پینا چھوڑ دیا بس یہ کہا اور ہمیشہ کے لئے سگریٹ نوشی ترک کر دی۔

حدیث میں آیا ہے **المہاجر من هجر السیات** مردوہ ہے کہ جس کے ساتھ جو کچھ چپکا ہوا ہے چھوڑ دے جو آدمی سگریٹ جیسی چیز نہیں چھوڑ سکتا وہ انسان کیسا ہے۔ [۲]

دیکھ کہ تو نے آگے کیا بھیجا ہے

مرحوم آیت اللہ العظمیٰ بروجردی کے فوت ہونے سے چند دن قبل کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آئے جبکہ آپ بڑے بے آرام تھے۔ آپ اس حالت میں کہہ رہے تھے میری عمر گزر گئی لیکن اپنے لئے آگے کچھ نہ بھیج سکا اور عمل کو بڑا ہلکا سمجھا۔

ایک آدمی جو ہمیشہ صاحبان قدرت کے مقابلے میں چاپلوسی کرتا تھا۔ اس نے

---

[۱] انسان کامل۔ ۲۶،۲۵

[۲] گفتار ہائے معنوی۔ ۲۵۵

چاپلوسی کے انداز میں کہا آقا! آپ ایسی باتیں کرتے ہیں؟ ایسی باتیں تو ہم بیچاروں کو کرنی چاہیں آپ کیوں کہتے ہیں؟ الحمداللہ کہ آپ بہت زیادہ اچھے کام باقی چھوڑ رہے ہیں۔ آپ نے اتنے زیادہ شاگردوں کی تربیت کی ہے اتنی زیادہ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں اتنی عظیم مسجد بنائی ہے جگہ جگہ مدارس بنائے ہیں۔

جب اس کی بات ختم ہوئی تو مرحوم بروجردی نے ایک جملہ کہا جو حدیث ہے فرمایا **خلص العمل فان الناقد بصیر یصبر** عمل خالص کرنا چاہئے نقاد اس سے آگاہ ہے تو نے خیال کیا کہ جو لوگ منطق میں اس شکل کے ہیں وہ اللہ کے سامنے بھی اسی طرح ہیں۔ جس کا تو فیصلہ کر رہا **ان خبیر بما تعملون**۔ [۱]

قرآن کی تعبیر کے مطابق تمام اعمال اگلی دنیا کے لئے ہیں۔ انسان جہاں جانا چاہے وہاں جانے سے پہلے اس جگہ کی ضروریات بھیجے

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللهِ

اور تم نے جو کچھ نیک اعمال وغیرہ بھیجے ہیں۔ انہیں خدا کے پاس پاؤ گے۔ [۲]

آئندہ زندگی کے لئے زادراہ بھیجنے کی پوری کوشش کرو اور وہاں وہ چیز بھیجو جو وہاں کام آئے جو عمل وہاں کوئی فائدہ نہ دے سکے اس کے کرنے کا کیا فائدہ۔ پہلے علم حاصل کرو کہ وہاں کیا کیا چیز کام آتی ہے پھر وہ چیز وہاں بھیجو۔

صفائی گوئی اور واضح لہجہ

میں جن سالوں میں قم میں علم حاصل کرتا تھا۔ ایران کے مشہور خطباء میں سے ایک قم آیا اتفاقاً وہاں قیام کے لئے میرا حجرہ منتخب کیا۔ ایک آدمی اسے ایسے وقت میں آیت اللہ بروجردی کے گھر لے گیا جو ان کے مطالعہ کا وقت تھا۔ آقا مطالعہ میں مشغول تھے کیونکہ ایک گھنٹہ بعد آپ نے درس دینا تھا مرحوم آیت اللہ کا طریقہ یہ تھا کہ مطالعہ کے

---

[۱] سورہ حشر

[۲] سورۂ البقرہ: ۱۱۰

وقت کسی سے ملاقات نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور نوکر سے کہا آقا کو آگاہ کرو کہ فلاں آدمی ملاقات کے لئے آیا ہے۔ نوکر تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہا آقا فرماتے ہیں کہ میں اس وقت مطالعہ کر رہا ہوں کسی اور وقت تشریف لائیں وہ آدمی لوٹ گیا اتفاقاً اسی دن وہ اپنے شہر کی طرف بھی چلا گیا۔

اس دن جب آقا آیت اللہ بروجردی درس کے لئے آئے، مجھے صحن میں دیکھا اور فرمایا درس کے بعد فلاں آدمی کو ملنے تمہارے حجرے میں آؤں گا۔ میں نے کہا وہ تو چلے گئے ہیں فرمایا جب تو انہیں ملے تو کہنا جب تو مجھے ملنے آیا تھا تو میرا حال تیری طرح تھا جس طرح تو تقریر سے پہلے تیاری کرتا ہے اسی طرح میں بھی درس دینے کی تیاری کر رہا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ میں تیرے ساتھ ملاقات کروں اور توجہ درس کی طرف ہو۔

کچھ مدت کے بعد میں اس آدمی سے ملا۔ میں نے سنا تھا کہ بعض افراد نے اس کے دل میں آقا کے بارے میں وسوسہ پیدا کیا تھا کہ جان بوجھ کر مصروف ہو گئے کہ تیری توہین ہو اسی لئے تجھے اپنے گھر سے بغیر ملاقات کے لوٹا دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ آقا تجھے ملنا چاہتے تھے لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ تو چلا آیا ہے تو بڑی معذرت کرتے تھے۔ اس نے کہا ملاقات نہ ہونے کا مجھے ذرہ بھی ملال نہیں بلکہ میں تو بڑا خوش ہوا کیونکہ ہم یورپیوں کی تعریف کرتے ہیں کہ بااصول آدمی ہیں اور بے جا مداخلت نہیں کرتے۔ میں نے چونکہ آقا سے پہلے وقت نہیں لے رکھا تھا۔ اس لئے ان کے جواب سے بڑا خوش ہوا۔ انہوں نے بلا تکلف کہا کہ اب میں مصروف ہوں اگر مجھے بلا لیتے اور صحیح طور پر میری طرف توجہ نہ دیتے تو مجھے زیادہ ملال ہوتا اور آقا میرے بارے میں سوچتے کہ یہ کیا بلا میرے پلے پڑ گئی ہے جس نے میرا درس خراب کر دیا میں بڑا خوش ہوا کہ مجھے صاف گوئی اور صاف لہجے سے آگاہ کر دیا۔ مرجع مسلمین کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ [1]

---

[1] مسئلہ حجاب۔ ۱۱۷، ۱۱۸

اللہ کی مدد

ابتدائی سالوں میں جب حضرت آیت اللہ بروجردی ایک شدید بیماری کی وجہ سے بروجرد سے تہران آئے ہوئے تھے۔آپ کا آپریشن کیا جارہا تھا حوزہ علمیہ قم کے علماء نے آپ کو دعوت دی جو آپ نے قبول کی اور قم میں قیام فرمایا قم میں چند ماہ رہنے کے بعد گرمیوں کا موسم آگیا اور حوزہ میں چھٹیاں ہوگئیں۔ انہوں نے بیماری کی شدت میں منت مانی تھی کہ اگر خدا نے انہیں شفا دی تو حضرت رضا علیہ السلام کی زیارت کریں گے۔ اس لئے مشہد مقدس کا ارادہ کیا ایک خصوصی جلسہ میں اس کا ذکر کیا اس کے بعد فرمایا تم میں سے کون ہے جو میرے ہمراہ آئے گا؟ جو لوگ حاضر تھے انہوں نے نظریں جھکا دیں اور کہا سوچ کر بتائیں گے آپ کی غیر حاضری میں میٹنگ بلا کر مشورہ کیا کہ کون ان کے ہمراہ جائے گا۔ فیصلہ کیا گیا کہ اس وقت آپ کا مشہد مقدس جانا مناسب نہیں کیونکہ آپ ابھی ابھی قم آئے ہیں اور تہران و مشہد کے لوگ آپ کے سفر کے مقصد سے آگاہ نہیں۔ اس لئے آپ کے شایان شان پذیرائی نہیں ہو سکے گی۔ چنانچہ آپ کو فی الحال سفر سے روکنے کی رائے پاس ہوئی لیکن لوگ جانتے تھے کہ آپ نہیں مانیں گے اس لئے فیصلہ ہوا کہ کوئی اور عذر پیش کئے جائیں، مثلاً

چونکہ آپ نے ابھی ابھی آپریشن کرایا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ بس کا یہ طولانی سفر کسی تکلیف کا باعث ہو (اس وقت مشہد و تہران کے درمیان ہوائی یا ریل کا رابطہ نہ تھا) بعد کے جلسہ میں انہوں نے دوبارہ پوچھا تو لوگوں نے آپ کو روکنے کی کوشش کی لیکن حاضرین میں سے ایک نے دل کی بات ظاہر کر دی۔ اس سے آپ کو پتہ چلا کہ لوگوں کا آپ کو روکنے کا اصل مقصد کیا تھا آپ نے جونہی یہ بات سنی آپ کا رنگ تبدیل ہو گیا اور غصے کے انداز میں فرمایا مجھے خدا نے ستر سال عمر دی ہے خدا نے اس عرصہ میں مجھے بڑی عزت عطا فرمائی ہے۔ جس میں سے کچھ بھی میری تدبیر سے نہیں ہے میں نے بھی اس عرصے میں یہ کوشش کی ہے کہ فرض ادا کروں۔ اب ستر سال کے بعد یہ مناسب نہیں ہے

کہ میں بڑائی سوچوں اور شخصی بڑائی کے لئے فکر کروں لہذا میں جاتا ہوں۔

ہاں! اگر ایک آدمی اپنی عملی زندگی میں کوشش و اخلاص کو جڑواں رکھتا ہو تو خدا اس کو ان راستوں سے فائدہ پہنچاتا ہے جنہیں وہ نہیں جانتا۔

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝٧

تم اگر حقیقت کی مدد کرو تو حقیقت تمہاری یاوری کو آئے گی۔ [1]

طالب علمی میں استاد

مرحوم آیت اللہ بروجروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر کے تقریباً تیس سال اصفہان میں گزارے، اس شہر میں فقہ، اصول فلسفہ و منطق بزرگ اساتذہ سے حاصل کئے حتیٰ کہ یہاں ہی اجتہاد کے درجے تک پہنچے اور خود ایک محقق، استاد اور مجتہد تسلیم کئے گئے۔ اس کے بعد نجف گئے اور حوزہ میں مرحوم آیت اللہ آخوند خراسانی کے درس میں شرکت کی وہاں کئی سالوں تک بہترین شاگرد مشہور رہے۔ استنباط میں آپ کی علمی وقدرتی واقفیت اتنی ہوگئی کہ جوانی میں آخوند خراسانی کے مقابلے میں اعتراض کرنے لگے اور استاد کی بات میں اشکال کیا۔

باوجودیکہ آخوند خراسانی اسلامی دنیا میں بے نظیر مدرسین میں سے تھے یعنی پہلے تو اصول میں اساتذہ میں سے تھے اور دوسرے فن تدریس میں بے مثال تھے۔ بیان اور تحقیق وتقریر میں عجیب قدرت رکھتے تھے۔ آپ کے درس میں بارہ سو افراد شریک ہوتے تھے جن میں سے پانچ سو کے لگ بھگ مجتہد ہوئے۔ بلند آواز تھے آپ کی آواز لاؤڈ سپیکر کے بغیر مسجد کی فضا میں گونجتی تھی کوئی شاگرد اعتراض کرنا چاہتا اور بات استاد تک پہنچانا چاہتا تو ناممکن تھا۔ اس قسم کے صاحب قدرت استاد کے سامنے آیت اللہ بروجردی نے عین جوانی کے عالم میں اشکال کیا اور اپنی بات بیان کی۔ مرحوم آخوند نے کہا ایک بار پھر کہو۔ بروجردی نے بات دوہرائی آخوند سمجھ گئے کہ ٹھیک کہتا ہے شک وارد ہے اس لئے کہا

[1] سورۂ محمد: ۷ (امدادھای غیبی درزندگی بشر۔ ۹۰،۸۹۔)

الحمد اللہ میں نے مرنے سے قبل اپنے شاگرد سے استفادہ کیا۔[1]

ان کی قدر نہ کی گئی

بزرگ استاد آقا میرزا مہدی آشتیانی اعلیٰ اللہ مقامہ ایک حکیم اور فلسفی تھے۔ حوزہ علمیہ قم میں درس دیتے تھے وہ نقل کرتے ہیں کہ میں ایک کتب فروش کے پاس گیا اور اس سے کتاب چاہی کتب فروش نے مجھے ایک ایسے رسم الخط میں کتاب دی، جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ ریاضی کی کتاب تھی دوکاندار نے کہا آقا میرزا! شاید یہ کتاب آپ کی تکلیف دور کردے یہ مجھ سے خرید لیں۔ میں نے قیمت پوچھی تو دس تومان مانگے۔اس وقت دس تومان کافی رقم تھی اور میرے پاس اتنی رقم نہ تھی لیکن جب میں نے کتاب دیکھی اور سرسری نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ مسلمان ریاضی دانوں کی لکھی ہوئی ہے ممکن ہے اس کی قیمت زیادہ ہو میں نے اسے اس شرط پر خریدنے کا ارادہ کیا کہ قیمت میں کمی کرے۔ کتب فروش کم قیمت پر تیار نہ تھا ابھی کتاب شیلف پر تھی اور ہم سودا کر رہے تھے کہ ایک غیر ملکی آدمی آیا اس نے یہ کتاب دیکھ لی دوکاندار سے قیمت پوچھی اس نے دس تومان بتائی اس نے فوراً دس تومان دیئے اور بجلی کی مانند چلا گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ کتاب ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ چلتی رہی اور اسی تہران میں کتاب کے شائقین نے اتنی زیادہ قیمت پر خریدی کہ جس کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ معلوم ہوا ایک تو کتاب بڑی خوبصورت تھی اور دوسرے ایک ہی آدمی کے پاس نسخہ تھا یہ کتاب یورپ میں لائبریری کے لئے لے گئے پتہ چلا کہ یہ آدمی یورپ کی ایک لائبریری کی طرف سے اس بات پر مقرر تھا کہ اس کتاب اور اسی قسم کی بعض دوسری کتابوں کو سرزمین مشرق کی لائبریریوں سے تلاش کر کے لے آئے۔

غور کریں کہ ہم ان نفیس قرآنوں سے کتنا ذوق وشوق و ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان قوم وملت کے تمدن اور مذہبی لوگوں سے کتنی عقیدت رکھتے ہیں، ہم ان کے آثار

---

[1] حماسہ حسینی، ج۱، ص۲۹۹، ۲۹۸

مٹی میں دفن کر دیتے ہیں، گذشتگان کے ہنر اور عظمت کا احساس نہیں اس کے مقابلے میں یورپ اتنی سربلندی اور عظمت کس سبب سے حاصل کر گیا ہم یہ نہیں جاننا چاہتے۔

کشش اسلام

مرحوم آیت اللہ حاج شیخ عبدالکریم اعلیٰ اللہ مقامہ جب بوڑھے ہو گئے اور روزے بھی بڑے سخت تھے تو بھی روزہ رکھتے تھے لوگوں نے آپ سے کہا: آپ روزہ کیوں رکھتے ہیں۔ آپ نے خود اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لئے روزہ واجب نہیں کیا آپ کا فتویٰ تبدیل ہو گیا ہے یا آپ ابھی اپنے آپ کو بوڑھا نہیں سمجھتے؟ فرمایا تھا:۔

میرا فتویٰ تبدیل نہیں ہوا اور اپنے آپ کو بوڑھا سمجھتا ہوں عرض کیا گیا پھر روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ فرمایا مجھ میں وہ عوامی رگ نہیں اسلام آسان دین ہے اسی آسانی سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ بعض لوگ جو فرائض ان سے سلب ہو چکے ہیں، نہیں چھوڑتے۔ [1]

مردانہ وار کہو کہ نہیں جانتا

ابن جوزی اپنے زمانے کے مشہور خطبا میں سے تھے ایک دن تین سیڑھیاں بلند منبر پر بیٹھے تھے، لوگ ارد گرد جمع تھے کہ ایک عورت منبر کے پاس سے اٹھی اور ایک مسئلہ پوچھا ابن جوزی نے کہا میں نہیں جانتا۔ عورت نے کہا جب تو نہیں جانتا تو لوگوں سے تین سیڑھیاں بلند کیوں بیٹھا ہے۔ جواب دیا تین سیڑھیاں بلند اس لئے بیٹھا ہوں کہ میں جانتا ہوں اور تم کچھ نہیں جانتے اس لئے اپنی معلومات کے مطابق اونچا بیٹھا ہوں اگر میں اپنی مجہولات کے مطابق اونچا ہوتا تو میرے لئے لازم تھا کہ ایک ایسا منبر بناتا جو فلک افلاک تک جاتا۔

---

[1] سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۲۴

ابن مسعود کہتا ہے **قل ما تعلم ولا تقل مالا تعلم** جو کچھ جانتا ہے کہہ اور جونہیں جانتا اس کے لئے منہ سی لے اور بات کرنے سے زبان روک لے اور اگر تجھ سے کوئی ایسا سوال کیا جائے جو نہ جانتا ہو تو بڑی صراحت و مردانگی سے کہہ دے کہ نہیں جانتا۔ [1]

نہیں جانتا

مرحوم شیخ انصاری علم وتقویٰ میں زمانے میں یکتا مرد تھے ابھی تک علماء وفقہا آپ کے کلام پر فخر کرتے ہیں۔آپ کی اچھی اور جاذب صفات میں سے ایک یہ تھی کہ جب آپ سے کوئی چیز پوچھی جاتی اگر نہ جانتے تو بلند آواز سے کہتے نہیں جانتا نہیں جانتا۔اس طرح کہتے کہ شاگرد یاد کر لیتے۔ یہ ان کی بے عزتی نہ تھی بلکہ ان کی عظمت تھی کہ غلط جواب نہیں دیتے تھے۔

مقدس اردبیلی

احمد بن محمد اردبیلی جو مقدس اردبیلی کے نام سے مشہور ہیں۔زہد وتقویٰ میں ضرب المثل تھے شیعہ محققین میں سے تھے مقدس اردبیلی نجف میں رہائش پذیر تھے۔ خاندان صفویہ کے ہمعصر تھے کہتے ہیں کہ عباس صفوی نے ان کے اصفہان آنے پر زور دیا لیکن رضامند نہ ہوئے۔

شاہ عباس مقدس اردبیلی کی خدمت کرنا چاہتا تھا اتفاقاً ایک شخص کسی غلطی کی وجہ سے ایران سے بھاگا اور نجف میں مقدس اردبیلی کے ہاں جا پہنچا اس نے شاہ عباس سے سفارش کے لئے عرض کیا مقدس نے شاہ کو اس مضمون کا خط لکھا۔

عارضی ملک کے بانی عباس پر واضح ہو کہ اگرچہ یہ آدمی پہلے ظالم تھا لیکن اب مظلوم ہے اگر تو اس کی غلطی معاف کردے تو ممکن ہے کہ حق سبحانہ تیری غلطیوں میں سے کوئی معاف کردے۔ بندہ شاہ ولایت احمد اردبیلی۔

---

[1] سیرۃ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۱۴

شاہ عباس نے لکھا آپ نے عباس کو جو خدمت تحریر کی میں نے دل و جان سے قبول کی امید ہے کہ اس محب کو دعائے خیر میں نہیں بھولیں گے۔ [۱]

مقدس اردبیلی کے ایران نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ آپ حوزہ علمیہ نجف کو حوزہ اصفہان کے مقابلے میں دوسرا مرکز بنانا چاہتے تھے۔ ایسے شواہد موجود ہیں کہ شعیہ مجتہدین نے کسی زمانے میں بھی بادشاہوں اور حکمرانوں کے مطالبات کو اہمیت نہ دی حتیٰ کہ صفویوں کے دور میں یہ بات زیادہ واضح ہوئی۔ [۲]

کشف حقیقی کی لذت

مشہور اسلامی مفکر ابوریحان البیرونی مرنے کے قریب تھا۔ اسی کا ایک ہمسایہ جو کہ فقیہ تھا اس کی بیمار پرسی کے لئے آیا اس نے دیکھا کہ ابوریحان بستر پر پڑا موت کے انتظار میں روبقبلہ ہے اور بظاہر اس کی زندگی کا کوئی نشان باقی نہیں۔

ابوریحان نے بڑی مشکل سے اس سے فقہ کا ایک مسئلہ پوچھا فقیہہ نے کہا اب مسئلہ پوچھنے کا کون سا وقت ہے؟

ابوریحان نے کہا میں جانتا ہوں کہ اب میں مر رہا ہوں اگر میں یہ مسئلہ جان کر مروں تو نہ جان کر مرنے سے بہتر ہے اس لئے جلد جواب دے فقیہہ نے اسے مسئلہ بتایا اور چل پڑا۔ وہ فقیہہ کہتا ہے کہ میں ابھی اپنے گھر نہیں پہنچا تھا کہ ابوریحان کے گھر سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔

یہ ایک انسانی حس ہے اور جس آدمی میں یہ حس پیدا ہو جاتی ہے وہ ہر مرحلے پر حقیقت معلوم کرنے کی لذت کو ہر چیز سے بہتر پاتا ہے۔ [۳]

---

[۱] آستان علی کا کتا عباس

[۲] استاد شہید

[۳] فطرت۔ ص ۵۱

علم کا عاشق

مرحوم سید محمد باقر اصفہانی کی شادی کی رات تھی۔ عورتیں دلہن اور دولہا کے کمرے میں آئیں تو سید فوراً کمرے سے باہر نکل گئے اور دوسرے کمرے میں چلے گئے دیکھا کہ مطالعہ کا مناسب موقع ہے اس لئے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ رات کے آخری حصے میں عورتیں دلہن کے کمرے سے چلی گئیں اور دلہن تنہا ہوگئی اس نے سید کے آنے کا بہت انتظار کیا لیکن وہ نہ آئے حتیٰ کہ صبح ہوگئی گویا علم کی جاذبیت نے آپ کو اس طرح اپنی طرف متوجہ رکھا کہ بیوی کی زفاف کی رات بھی بھول گئے۔

علم وحقیقت سے تعلق رکھنے والے سارے افراد میں یہ حس موجود ہوتی ہے البتہ دوسری حسیات کی طرح کم وبیش ہوتی ہے اس کی پرورش سے انسان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ [۱]

حقیقی معشوق

مشہور شاعر شہریار طب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ تحصیل طب کے دوران تہران کے ایک گھر میں رہتا تھا کچھ مدت کے بعد صاحب خانہ کی بیٹی پر عاشق ہوگیا۔ عشق میں شدت آ گئی لیکن اسی دوران لڑکی پر ایک اور زیادہ خوبصورت وزیبا شخص عاشق ہو گیا لڑکی اس دوسرے شخص کو دے دی گئی۔ شہریار مجنونانہ انداز میں ہر چیز، کام، شغل اور تحصیل علم کو چھوڑ بیٹھا۔ کئی سالوں کے بعد وہ عورت اپنے شوہر کے ہمراہ شہریار سے ملی شہریار نے کہا اب تیرا میرے ساتھ کوئی سروکار نہیں حتیٰ کہ تیرا شوہر تجھے طلاق بھی دے دے تو کوئی فائدہ نہیں۔ شہریار نے اس ملاقات کے متعلق بڑے عمدہ اشعار کہتے ہوئے کہا میں نہیں جانتا کہ میں نے کس طرح اس کے عشق کی خواہش کی حالانکہ خود معشوق توجہ نہیں رکھتا۔

اسی وجہ سے بعض عرفا کہتے ہیں کہ اگر عشق مجازی بھی ہو تو صرف محرک ہے ورنہ

---

[۱] فطرت۔ ص ۱۵، ۵۲

عشق حقیقی انسان کے لئے ایک ماورالطبیعی حقیقت ہے۔ انسان کی روح اس سے متحد ہوتی ہے۔ اس تک پہنچتی ہے اسے کشف کرتی ہے، کیونکہ دراصل معشوق حقیقی اندر ہوتا ہے۔ [1]

خدا اور بندوں کے حقوق

طالب علمی کے زمانے میں ہم چند دوست ایک جلسہ میں بیٹھے تھے۔ اس محفل میں مرحوم آیت اللہ العظمٰی آقا حجۃ اللہ رضوان اللہ علیہ کی غیبت ہونے لگی، حالانکہ وہ میرے استاد تھے میں نے کئی سال ان سے درس لیا تھا اور ایک مقابلے میں ان سے انعام پایا تھا۔ بحث کے دوران مجھے حاضر رکھا گیا اگرچہ مجھے احساس ہوا کہ مجھے اس محفل میں حاضر نہیں رہنا چاہیئے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کسی قوت آپ سے ملوں اور ان سے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب لوں، حتیٰ کہ گرمیوں میں مرحوم حجت حضرت عبدالعظیم کی زیارت کو تشریف لائے۔

ایک دن میں ظہر کے بعد ان کی قیام گاہ پر گیا جب شرف ملاقات کے لئے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ سر پر ٹوپی پہنے بازو سے ٹیک لگائے ہیں اور بیمار نظر آتے ہیں۔ میں نے عرض کیا آقا! آپ کے پاس ایک مطلب کے لئے آیا ہوں فرمایا کہو؟

میں نے عرض کیا میں نے آپ کی غیبت کی ہے لیکن دوسروں سے آپ کی زیادہ غیبت سنی ہے۔ اس پر سخت پریشان ہوں اور اپنے آپ کو ملامت کرتا ہوں کہ میں اس جلسے میں کیوں بیٹھا رہا۔ اپنے اس کئے پر آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں۔

اتنے بڑے بزرگ ہوتے ہوئے فرمایا میرے نزدیک غیبت کی دو وجوہات ہیں ایک صورت میں اسلام کی اہانت ہوتی ہے۔ میں ان کا مقصد سمجھ گیا عرض کیا نہیں میں اسلام کی توہین کی جسارت نہیں کرسکتا۔ میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ محفل میں ایک آدمی کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بیٹھا رہا، فرمایا میں نے معاف کر دیا۔ اگر آدمی حقوق اللہ کو ادا نہیں کرتا مثلاً خمس، زکوٰۃ، نماز، روزہ، حج وغیرہ ادا نہ کرے یا بدکاری کرے تو توبہ کرے اللہ

---

[1] فطرت۔ ص ۶۰،۵۹

معاف کر دیتا ہے لیکن اگر کسی آدمی سے زبردستی کرے رشوت لے یا کسی کا مال مار لے یا کسی پر ظلم و زیادتی کرے تو جب تک اس آدمی کو راضی نہ کرے توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اگر کسی پر تہمت لگائے یا غیبت کرے تو بھی اس آدمی کو راضی کرنا پڑے گا اگر آدمی مر گیا ہو تو اس کے لئے توبہ استغفار کرے تا کہ خدا اس سے راضی ہو۔ [1]

اپنے آپ کو پگھلایا

مرحوم حاج میرزا حبیب رضوی خراسانی خراسان کے بزرگ مجتہدین میں سے ایک عارف مرد، فلسفی حکیم و شاعر ہوئے ہیں۔ آپ بڑے چاق و چوبند تھے آخری عمر میں ایک اہل دل اور حقیقت پسند سے جھگڑا ہو گیا۔ مرزا حاج حبیب اتنے بلند علمی مقام اور شہرت کے ہوتے ہوئے، جبکہ آپ اول درجہ کے مجتہد تھے۔ اس آدمی کے پاس گئے۔

کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حاج میرزا حبیب کو دیکھا ہوا تھا انہوں نے کچھ مدت کے بعد آپ کو دیکھا تو کمزور و ناتواں ہو گئے تھے۔ ان کا جسم پگھل گیا۔ ہاں توبہ اسی وقت توبہ ہوتی ہے جب تو اپنے جسم کے گوشت کو پگھلا کر پانی کر دے کیونکہ یہ موٹاپا جو رات کی محفلوں میں بدن پر آ گیا، یہ سڈول جسم جو حرام کھا کھا کر موٹا کیا گیا، یہ کھال، گوشت اور خون جو حرام مال سے بنا اسے پگھلانا ہی بہتر ہے۔ اس کی بجائے جسم پر تھوڑا حلال گوشت ہونا چاہیے۔

مرحوم میرزا حاج حبیب پر اعتراض نہیں وہ تو پہلے ہی پرہیز گار آدمی تھے لیکن جب عرفان کے مراحل سے گزرے تو اپنی پہلی حالت پر راضی نہ تھے۔ اسے غفلت سمجھا اور اس غفلت پر جسم کو پگھلا کر عرفان کی منزل بلند کی۔

گناہ سے توبہ

فضیل بن عیاض مشہور چور تھا اس کے خوف کی وجہ سے لوگ سو نہیں سکتے تھے۔

---

[1] گفتار ھائے معنوی۔ ص ۱۴۶

ایک رات ایک گھر کی دیوار پر چڑھا، گھر میں اترنے کے ارادے سے دیوار پر بیٹھا۔ اتفاقاً وہ گھر کسی عابد و زاہد کا تھا جو رات جاگ کر گزارتا شب بھر نمازیں پڑھتا، دعائیں مانگتا اور قرآن کی تلاوت کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ قرآن کی تلاوت میں مشغول تھا اس عابد نے غمگین آواز سے یہ آیت تلاوت کی یَأۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ [۱] کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان کے دعویداروں کا دل یاد خدا کے لئے نرم ہو جائے یعنی کب تک دل کی سختی، کب تک گناہوں پر کاربندی اور کب تک خدا کی طرف پشت کئے رکھیں گے؟ کیا گناہوں سے روگردانی اور خدا کی طرف رجوع کرنے کا وقت نہیں آیا ہے۔

فضیل بن عیاض نے جونہی یہ آیت دیوار پرسنی گویا اس کو ہدایت ہوئی کہ کہنے والا اس سے مخاطب ہے لہٰذا وہیں بیٹھے بیٹھے کہا خدایا! کیوں؟ کیوں؟ تیرا وقت آ گیا ہے اور ابھی اس کا موقع ہے۔ چنانچہ دیوار سے اتر آیا اور اس کے بعد چوری، شراب، جوا اور ہر برائی چھوڑ دی۔ سب سے ہجرت کی ان تمام آلودگیوں سے دور ہو گیا۔ اس سے قبل جتنا مال لوٹا تھا ممکن حد تک واپس کر دیا حقوق الٰہی ادا کرنے لگا سابقہ گناہوں سے توبہ کی حتیٰ کہ ایک بزرگ آدمی ہو گیا نہ صرف خود صاحب تقویٰ ہو گیا بلکہ دوسروں کے لئے نمونہ بن گیا۔ پس وہ ایک مہاجر ہے کہ جس نے گناہوں سے دوری اختیار کی اس طرح سارے توبہ کرنے والے مہاجر ہیں۔ [۲]

ہیرو کون ہے؟

پوریا دنیا کے مشہور پہلوانوں میں سے ایک ہے جو مردانگی و طاقت کا مظہر تھا۔

ایک دن ایک ریاست کے ادنیٰ درجہ کے پہلوان کے ساتھ مقررہ وقت اور مقررہ جگہ پر کشتی کرنے جا رہا تھا۔ شب جمعہ اسے ایک بوڑھی عورت حلوا تقسیم کرتی ہوئی

[۱] سورۂ الحدید:۱۶

[۲] گفتار ھائے معنوی

ملی۔لوگوں کو حلوا کھلا کر دعا کے لئے التماس کرتی تھی، بوڑھیا اسے نہیں پہچانتی تھی اس نے اسے بھی حلوا دیا اور کہا دعا کر کہ میرا بیٹا جو اس ریاست کا پہلوان ہے، ایک دوسرے ملک کے پہلوان سے کشتی لڑنے والا ہے۔ ہم ساری زندگی بیٹے کی پہلوانی کی وجہ سے مشہور رہے ہیں اگر میرا بیٹا ہار گیا تو نہ صرف اس کی عزت جائے گی بلکہ ہماری زندگی بھی تباہ ہو جائے گی اور میں بوڑھی مر جاؤں گی۔

پوریا نے کہا مطمئن رہو میں دعا کرتا ہوں اس کے بعد پوریا نے سوچا کہ کل کیا کرنا چاہئے۔ اگر میں اس پہلوان سے طاقتور ہوا تو اسے پچھاڑنا چاہئے یا نہیں؟ کافی غور کے بعد اس نتیجے پر پہنچا، بہادر وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑائی کرے۔ جب کشتی کا مقررہ وقت آیا اور مخالف کے پنجہ میں پنجہ ڈالا تو اپنے آپ کو طاقتور اور مخالف کو کمزور پایا بڑی آسانی سے اسے مات دے سکتا تھا لیکن اس لئے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ جان بوجھ کر گرا تھوڑی دیر اس کے ساتھ ردوکد کی اور پھر اپنے آپ کو سست کر دیا کہ مخالف اس کو گرا لے۔

لکھتے ہیں کہ اس وقت اسے احساس ہوا کہ خدا نے اس کے دل کو کھول دیا ہے اور ایک نورانی کیفیت اپنے آپ میں محسوس ہوئی۔ اس لئے کہ ایک لحظہ اپنے نفس سے جہاد کیا۔ یہ شخص بعد میں اولیاء اللہ میں سے ہو گیا کیونکہ۔

المجاھدین من نفسه اور اشجع الناس من غلب ھواہ

کے مصداق ایسی بہادری دکھائی جو سارے بہادروں کے لئے مثال ہے۔ [1]

آج کی ورزشوں میں خصوصاً دوسرے ممالک میں یہ بات ختم ہو گئی ہے۔

ماضی میں بہادر علیؑ کو بہادری کا مظہر جانتے تھے حضرت علی علیہ السلام ہر دو صورتوں جسم کی بہادری اور مبارزہ نفس میں بہادری کا اعلیٰ وارفع معیار ہیں۔

وقت خشم و وقت شہوت مرد کو

طالب مردی چنینم کو بہ کو

[1] گفتار ھائے معنوی

معنوی شجاعت و بہادری میں کشتی و پہلوانی اور ہوائے نفس میں ہوس سے آزادی یعنی جو میدان کشتی کے بہادر ہوتے ہیں وہ کسی کی ناموس پر نگاہ نہیں کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کی بہادر روح ان کو اجازت نہیں دیتی تھی کہ کسی کے ناموس کو دیکھیں۔ بہادر زنا نہیں کرتا تھا، شراب نہیں پیتا تھا، جھوٹ نہیں کہتا تھا، تہمت نہیں لگاتا تھا، چاپلوسی نہیں کرتا تھا۔ بہادر صرف وہ آدمی نہیں جو ایک بھاری پتھر یا لوہا اٹھا سکے بلکہ وہ جو نفس امارہ پر قابو پا سکے۔ [1]

مرجعیت سلب کروالی

مرحوم سید حسین کوہ کمری بزرگ اکابر علماء اور اپنے زمانے کے مراجع تقلید میں تھے وہ نجف میں حوزہ میں درس دیتے تھے۔ لیکن ابھی زیادہ شہرت نہیں پائی تھی۔ خصوصاً نجف میں تھوڑی مدت قیام کیا اور بعد میں ایران آئے اور سیاحت کی۔ اس مطلب کے لئے ایران کے شہروں میں پھر رہے تھے جہاں کئی نامور عالم دیکھتے تھے کچھ عرصہ ایک کے پاس رہتے اور اس سے استفادہ کرتے، کچھ مدت مشہد میں گزاری، اس سے زیادہ مدت اصفہان میں رہے اور اس سے بھی زیادہ عرصہ کاشان میں رہ کر مرحوم نراقی سے استفادہ کیا جب تین سال کے بعد کاشان سے لوٹے تو نامور آدمی تھے۔ نجف اشرف میں قیام کے دوران ایک مسجد میں درس دیتے تھے۔ اسی مسجد میں ان کے درس سے پہلے ایک مختصر جسامت کا شیخ جس کی آنکھیں چھوٹی تھیں اور بظاہر اس کی شکل وصورت خوزستانیوں سے ملتی جلتی تھی۔ اساتذہ کے لباس اور پرانے عمامہ کو پہنے ہوئے دو تین آدمیوں کو درس دیتا تھا۔

ایک دن مرحوم آقا سید حسین معمول سے قبل مسجد میں آ گئے ان کے درس کو ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا، دیکھا کہ ایک شیخ کونے میں بیٹھا دو تین آدمیوں کو درس دے رہا ہے وہ بھی ایک طرف بیٹھ گئے لیکن شیخ کی آواز بخوبی سن رہے تھے۔ اس کی باتوں پر دھیان دیا کہ کہنہ مشقوں کی طرح درس دے رہا ہے۔ جوان کے لئے بھی مفید ہے حالانکہ آقا سید

[1] گفتار ھائے معنوی

حسین اب ایک مشہور و معتبر عالم مرجعیت کے قریب تھے جبکہ وہ شیخ مجہول الحال ہے جس کو آج تک کسی نے نہیں پہچانا۔

دوسرے دن مزید ایک گھنٹہ پہلے گئے تا کہ دیکھیں کہ کس طرح پڑھا تا ہے؟ پہلے دن کی طرح ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ دھیان دیا دیکھا کہ کل کا فیصلہ ٹھیک تھا واقعی وہ شیخ ایک فاضل آدمی تھا حتیٰ کہ خود ان سے بھی فاضل تر تھا اپنے آپ سے کہا ایک دن مزید امتحان کرنا چاہئے۔ تیسرے دن بھی سنا آپ پر سو فیصد ثابت ہوا کہ یہ غیر معروف آدمی ان سے عالم تر ہے اور وہ اس شیخ سے استفادہ کر سکتے ہیں پھر شیخ کے نزدیک گئے ابھی شیخ کا درس ختم نہیں ہوا تھا۔

سید نے اپنے شاگردوں سے کہا آج میں تمہارے لئے ایک نئی چیز لایا ہوں انہوں نے کہا فرمائیں، کہا وہ شیخ جو تم کونے میں بیٹھا دیکھ رہے ہو مجھ سے کافی عالم و فاضل ہے میں نے امتحان کیا ہے میں خود اس سے استفادہ کرتا ہوں۔ اگر میرے دل کی بات پوچھو تو میں اور تم دونوں اس کے درس سے استفادہ کریں۔ یہ کہہ کر شاگردوں کے ہمراہ اس شیخ کے درس میں گئے یہ کمزور جسم والے شیخ مرتضیٰ انصاری تھے ابھی تک ان کی کسی کو قدر نہ تھی لیکن بعد میں اعظم فقہا اور اکابر علماء میں شمار ہوئے۔ [1]

اس کہانی میں انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ بلند و اعلیٰ روح آقا سید حسین کوہ کمری جیسے انسان جو اتنے بلند مقام اور مرجعیت کے قریب تھے، شیخ انصاری کی شاگردی میں آ گئے اور اپنی مرجعیت کی پرواہ نہ کی۔ مرجعیت کوئی کم مقام نہیں اگر انسان چاہے تو دنیاوی لحاظ سے بڑا مقام ہے۔

اسرار آمیز طاقت

مرحوم آخوند ملا حسین قلی ہمدانی آخری زمانے میں اخلاق اور سیر و سلوک کے بزرگ علماء میں سے تھے جو کہ شیخ انصاری اور مرحوم میرزا شیرازی کے شاگردوں میں شمار

---

[1] گفتار ھائے معنوی ص ۳۹ تا ۴۲

ہوتے ہیں۔شیخ اور میرزا شیرازی کا بے حد احترام کرتے تھے۔

لکھتے ہیں کہ مرحوم آخوند کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور آپ نے اس کو گناہوں سے توبہ کرائی۔ چند دنوں کے بعد جب یہ شخص توبہ کر کے لوٹا تو اس کا چہرہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ کوئی اس کو پہچان نہیں رہا تھا جسم دبلا ہو گیا حتیٰ کہ ہڈیوں پر سوائے کھال کے کچھ نہ رہا۔

آدمی کو کس چیز نے اس درجہ کمزور کیا اور کون سی طاقت نے ایسا کرنے پر اسے ابھارا آخوند ملا حسین قلی ہمدانی نے نہ اسے تھپڑ مارا نہ ڈنڈا نہ توپ کا گولہ صرف ایک واعظ کی طاقت تھی۔آپ میں کیسا وجدان پوشیدہ تھا کہ جس نے اس کو زندہ کر دیا اور اپنی شہوت اور گوشت جو گناہ سے اگا تھا اتار دیا۔[1]

چھ مہاجر عاشق

قبیلہ ہذیل جو ظاہری طور پر قریش سے متعلق تھا مکہ کے نزدیک رہائش پذیر تھا۔ اس کے لوگ تین ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔عرض کیا ہمارے قبیلے کے کچھ افراد نے اسلام قبول کر لیا ہے کچھ مسلمان ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ ہمیں قرآن کی تعلیم دیں اور اسلام کے قوانین سکھائیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے چھ آدمیوں کو ان کے ساتھ بھیجا مرثد بن ابی مرثد یا عاصم بن ثابت کو ان کا امیر بنایا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اس وفد کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ قبیلہ ھذیل کے مقام سکونت پر پہنچے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست بڑے اطمینان سے آرام کر رہے تھے کہ اچانک ھذیل قبیلہ کا ایک گروہ بجلی کی سی تیزی سے تلواریں سونت کر ان پر حملہ آور ہوا۔معلوم ہوا کہ جو وفد مدینہ آیا ہوا تھا وہ پہلے منصوبہ بنا کر گئے تھے یا جب یہاں پہنچے تو لالچ میں آ گئے۔بہر حال ان لوگوں نے قبیلہ ہذیل کے ساتھ ساز باز کی اور

---

[1] گفتار ھای معنوی ص ۴۴،۴۵

ان چھ مسلمانوں کو قید کرنا چاہا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے جونہی یہ حالت دیکھی تو دفاع پر تیار ہوگئے۔ ہذیل کے لوگوں نے قسمیں کھائیں کہ ہمارا ارادہ تمہیں قتل کرنے کا نہیں بلکہ قریش مکہ کے حوالے کرنا اور ان سے رقم لینا ہے ہم تمہارے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ عاصم بن ثابت سمیت تین آدمیوں نے کہا ہم مشرک کے وعدہ پر بالکل اعتبار نہیں کرتے چنانچہ لڑے حتیٰ کہ مارے گئے۔

لیکن باقی تین زید بن دشنہ، خبیب بن عدی اور عبداللہ بن طارق مان گئے۔ ھذیلوں نے انہیں رسیوں میں جکڑا اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن طارق نے مکہ کے نزدیک ہاتھ کھول کر تلوار اٹھالی لیکن دشمن نے اسے قتل کر دیا زید و خبیب مکہ لے جائے گئے اور مکہ میں ھذیل کے جو دو قیدی تھے ان کے بدلے دے دیئے گئے۔ صفوان بن امیہ قریشی نے، جس آدمی کے قبضے میں زید تھا اس سے خرید لیا تا کہ اپنے باپ کے خون کے بدلے میں، جو جنگ احد یا بدر میں مارا گیا تھا۔ مار ڈالے۔ اسے مکہ سے باہر قتل کرنے کے لئے لے گئے قریش کے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ زید کو قربان گاہ لے گئے وہ مردانہ وار آگے بڑھا اور کوئی کمزوری نہ دکھائی۔ ابوسفیان بھی تماشہ دیکھ رہا تھا اس نے زید کی زندگی کے آخری لمحات سے فائدہ اٹھانا چاہا کہ ہوسکتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے پچھتائے۔ ابوسفیان زید کے پاس گیا اور کہا تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تو یہ پسند نہیں کرتا کہ اب تیری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے اور ہم ان کی گردن مار دیتے اور تو آرام سے اپنے بیوی بچوں کے پاس چلا جاتا۔

زید نے کہا خدا کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ آرام سے بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان کا منہ تعجب سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ قریشیوں کی طرف رخ کر کے کہا خدا کی قسم! میں نے کسی آدمی کے ساتھیوں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں جیسا محب نہیں پایا۔ تھوڑی دیر بعد خبیب بن

عدی کی باری آئی اسے سولی پر چڑھانے کے لئے مکہ سے باہر لے گئے۔ خبیب نے لوگوں سے خواہش کی کہ اسے دو رکعت نماز پڑھنے دیں۔ اجازت ملی تو اس نے بڑے خضوع و خشوع سے دو رکعت نماز پڑھی پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا خدا کی قسم! اگر مجھے تہمت کا ڈر نہ ہوتا کہ تم کہو گے موت سے ڈر گیا ہے، تو میں زیادہ نماز پڑھتا۔

خبیب کو سولی کی لکڑی سے باندھا گیا۔ اس وقت خبیب بن عدی کی روحانیت نے لوگوں پر اثر کیا جب وہ خاک پر گر پڑا سنا گیا کہ وہ خدا کی مناجات کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ خدایا! ہم نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انجام دیا ہم تجھ سے دعا مانگتے ہیں کہ بادصبا ہمارے واقعات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائے خدایا! ان تمام ظالموں پر سختی نازل کر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر اور ایک کو بھی نہ چھوڑ۔ [۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی محبت و الفت کا یہ ایک نمونہ ہے۔ مکتب فلاسفہ اور مکتب انبیاء میں یہی فرق ہے کہ فلاسفروں کے شاگرد صرف متعلم ہیں اور فلسفیوں کا اثر ایک معلم سے زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن انبیاء کا اثر ایک محبوب کا اثر ہوتا ہے۔ ایسا محبوب جو محب کی روح کی گہرائی تک اثر رکھتا ہے اور اس کی زندگی کے تمام حصوں پر قابض ہوتا ہے۔ [۲]

---

[۱] جاذبہ ودافعہ حضرت علیؑ ص، ۸۲ تا ۸۵۔

[۲] جاذبہ ودفاعہ علیؑ۔ ص ۷۷۔

فصل سوم

زبان سے حکایات

باریک بین اور عارف

جہاد اصلاح نفس کا عامل

وہ ایک زاہد و عابد و پرہیز گار آدمی تھا۔ تمام واجب و مستحب عبادات کو انجام دیتا تھا۔ صرف جہاد کا فریضہ باقی تھا۔ ایک دن سوچنے لگا کہ میں نے تمام عبادات انجام دی ہیں۔ صرف جہاد کے ثواب سے محروم ہوں۔ میری عمر گزر گئی ہے کل موت آ جائے گی۔ کتنا ہی بہتر ہو کہ اس اجر عظیم سے غافل نہ ہوں۔ یہ سوچ کر ایک دن ایک سپاہی سے کہا میں جہاد کے ثواب سے محروم رہ رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جب جہاد ہو مجھے بھی اطلاع دو۔ فوجی نے وعدہ کیا کہ جب موقع آیا تجھے اطلاع دوں گا۔

چند دنوں کے بعد اسے خبر دی کہ تیار ہو جاؤ پرسوں چلیں گے۔ کفار نے ایک جگہ حملہ کر دیا ہے اور مسلمانوں کی سرزمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں کو قید کر لیا ہے جتنا جلد ممکن ہو تیار ہو جاؤ۔

عابد نے فوراً جنگ کا لباس پہنا، اسلحہ اٹھایا اور چل پڑا۔ ایک جگہ گھوڑوں سے اترے، خیام لگائے، گھوڑے باندھے، اچانک اعلان عام ہوا کہ دشمن پہنچ گیا ہے جلد حرکت کرو۔ آزمودہ سپاہی تیزی سے اسلحہ اور جنگی سامان لے کر بھاگے لیکن زاہد جس کا وضو نصف گھنٹے میں اور غسل ایک گھنٹے میں ہوتا تھا۔ اٹھا اور بوٹ تلاش کرنے لگا، گھوڑا اور اسلحہ ڈھونڈنے لگا تا کہ تیار ہو سکے دوسرے سپاہی گئے، جنگ کی، کچھ مارے گئے، کچھ کو مارا اور کچھ قید کر کے لائے۔ بیچارہ بڑا پریشان ہوا کہ پھر ثواب سے محروم رہ گیا۔ اپنے آپ سے کہنے لگا بڑا برا ہوا، مجھے توفیق ہی نہ ہوئی اب کیا کروں؟

دشمن کے قیدیوں میں سے ایک کے بازو بندھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے اسے دیکھا اور کہا اس قیدی کو دیکھتا ہے اس نے لاتعداد مسلمانوں کو شہید کیا اور بڑی لڑائی کی ہے اس کی سزا سوائے قتل کے کچھ نہیں۔ جہاد کا ثواب حاصل کرنے کے لئے اسے ایک طرف لے جا اور اس کی گردن اڑا دے۔ اسے قیدی اور تلوار دی گئی۔ اس نے قیدی کو پکڑا اور ایک تنہا جگہ پر لے گیا تا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ کچھ وقت گزر گیا لیکن زاہد کی کوئی خبر نہ تھی۔ کچھ سپاہیوں نے اس کا پتہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس ویرانے کی طرف گئے جس طرف زاہد گیا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ زاہد بے ہوش پڑا ہے اور قیدی دانتوں سے اس کی شہ رگ کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ قیدی کو قتل کر دیا گیا اور زاہد کو خیمہ میں لائے جب اسے ہوش آیا تو اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟

کہا واللہ! میں نہیں جانتا جب میں اسے ویرانے میں لے گیا اور کہا اے ملعون! اے مسلمانوں کے قاتل! تو اس نے چیخ ماری میری کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہوا اور کیسے ہوا۔

جہاد خود ایک تربیت ہے اس کے لئے پہلے تربیت ہونی چاہئے جو مسلمان و مومن جہاد کے لئے جاتا ہے اور جو مومن و مسلمان جہاد کے لئے نہیں جاتا، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جہاد کے لئے کچھ شرائط ہیں کہ دشمن کے سامنے تیار اور مسلح ہو اور ایمان کے

تحفظ کے لئے اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالے ایسا آدمی جس نے میدان جنگ نہ دیکھا ہو خواہ جتنی بھی عبادت کرتا رہے صرف ایک ہی واقعہ سے ڈر جاتا اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے فرمایا۔

من لم یغزو ولم یحدث نفسه بغزو مات علی شعبته من النفاق

وہ مسلمان جس نے جہاد نہ کیا ہو یا کم از کم جہاد کی دل میں خواہش نہ رکھتا ہو، اگر مر جائے تو نفاق پر مرا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کو اصلاح اخلاق اور صلاح نفس کہا ہے اس کے بغیر روح میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔

خزانہ کی خواہش

ایک شخص خزانہ چاہتا تھا لیکن ہمیشہ خدا سے عرض کرتا تھا خدایا! یہ سارے لوگ دنیا میں آئے اور چلے گئے ہیں جبکہ ان کے خزانے مٹی کے نیچے چھپے رہ جاتے ہیں۔ خدایا ان خزانوں میں سے کچھ مجھے دے۔ وہ عرصہ تک اسی طرح دعا مانگتا رہا۔ راتوں کو صبحوں تک زاری کرتا رہتا حتیٰ کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی آیا اور کہا خدا سے کیا چاہتا ہے۔ کہا میں خدا سے خزانہ مانگتا ہوں۔ اس نے کہا میں خدا کی طرف سے مقرر ہوا ہوں کہ تجھے خزانے کا پتہ بتاؤں، کہا بتاؤ۔ اس نے کہا فلاں ٹیلے پر جا اور تیر و کمان ساتھ لیتا جا۔ تیر کو کمان میں ڈال کر پھینک، جہاں تیر گرے وہیں خزانہ ہے۔ یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوا۔ عجیب خواب دیکھ کر اپنے آپ سے کہا مجھے جا کر دیکھنا چاہیئے، آخر جانے میں کیا نقصان ہے۔ اگر نشان درست ہوا تو کامیاب ٹھیک ہوں گا اور اگر نہ ہوا تو بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں۔

ایک ٹیلے پر نشانیاں ٹھیک پا کر تیر کمان میں رکھنا چاہا مگر اپنے آپ سے کہا

خواب میں یہ تو نہ بتایا گیا تھا کہ تیر کس طرف پھینکنا ہے قبلہ کی سمت انتخاب کرتا ہوں انشااللہ ٹھیک سمت ہے۔ تیر کمان میں رکھا اور پوری طاقت سے قبلہ کی طرف پھینکا۔ دیکھا کہ کہاں گرا۔ جہاں تیر گرا کدال سے جگہ کھودی لیکن کوئی خزانہ نہ پایا۔ اپنے آپ سے کہا دوسری طرف تیر پھینکنا چاہیئے۔ اس بار شمال کی طرف پھینکا وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ اس کے بعد جنوب مشرقی، جنوب مغربی اور اس کے بعد شمال مشرقی اور شمال مغربی سمت پھینکے لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ پریشانی کے عالم میں مسجد آ گیا اور پھر دعا مانگنے لگا۔

خدایا! تو نے میری کیسی راہنمائی کی کہ مجھے کچھ بھی نہ ملا۔ پھر عرصہ تک نالہ وفریاد کرتا رہا۔ کافی مدت کے بعد پھر اس آدمی کو خواب میں دیکھا اس سے شکوہ کیا کہ تو نے مجھے جو نشانیاں بتائی تھیں وہ غلط تھیں۔ اس نے کہا کیا تجھے ٹیلہ مل گیا تھا؟ کہا ہاں! اس نے پھر کہا تو نے کیا کیا؟

کہا تیر کمان میں ڈالا اور پوری طاقت سے قبلہ کی سمت پھینکا۔

اس آدمی نے کہا میں نے کب کہا تھا کہ قبلہ کی سمت پھینکنا اور پوری طاقت سے پھینکنا۔ میں نے تو کہا تھا جہاں کہیں تیر گرے یہ نہ کہا تھا کہ اسے کھینچنا اور گرانا۔ چنانچہ دوسرے دن پھر تیر کمان اور کدال لے کر گیا۔ تیر کمان میں ڈالا لیکن اسے کھینچا نہیں تھوڑی دیر کے بعد تیر اس کے پاؤں کے نزدیک ہی گر پڑا۔ پاؤں کے نیچے سے جگہ کھودی اور خزانہ پالیا۔ [۱]

ہاں! اپنے گم شدہ یعنی خدا کے لئے کہاں کہاں پھر رہا ہے؟ اپنے آپ میں غور کر خدا تیرے سامنے ہے۔ وَفِيٓ أَنفُسِكُمۡۚ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ ﴿٢١﴾ [۲]

البتہ قرآن بے اعتنائی نہیں چاہتا۔ کیا صرف دل خدا کا آئینہ ہے؟ نہیں دل خدا کا ایک آئینہ ہے اور طبیعت خدا کا ایک اور آئینہ ہے۔

---

[۱] مثنوی۔ص ۵۸۸

[۲] سورۂ ذاریات:۲۱

رازونیاز

ایک عابد ہمیشہ خدا کے ساتھ راز و نیاز کرتا، اللہ اللہ کرتا رہتا۔

ایک دن شیطان اس کے سامنے آیا اسے وسوسہ میں ڈالا اور کہا اے شخص! تو جو اللہ اللہ کرتا ہے، سحری کی میٹھی نیند چھوڑ دیتا ہے اور بڑے سوز و گداز سے اللہ اللہ کرتا ہے۔ کیا کبھی ایک بار بھی اللہ کی طرف سے لبیک سنی؟ اگر تو کسی کے گھر گیا ہوتا اور اس قدر نالہ دشیون کرتا تو کم از کم تجھے ایک بار ضرور جواب ملتا۔ اس شخص نے دل میں سوچا کہ اس کی بات تو واقعی منطقی ہے چنانچہ اس پر اثر ہوا اور اس کے بعد اللہ اللہ کرنا چھوڑ دیا۔

خواب میں اسے ہاتف غیبی کی آواز آئی کہ تو نے اپنی مناجات کیوں چھوڑ دی؟ اس نے جواب دیا میں دیکھتا ہوں کہ میں جتنی بھی مناجات کرتا ہوں اور جتنا بھی سوز و گداز کرتا ہوں ایک مرتبہ بھی میرے جواب میں لبیک نہ کہا گیا۔

ہاتف نے کہا میں خدا کی طرف سے مامور ہوں کہ تجھے جواب

دوں

گفت ھماں اللہ تو لبیک ما است

آں نیاز وسوز و دردت پیک ما است

یعنی وہ درد، سوز، عشق و مستی جو ہم نے تمہارے دل میں پیدا کی، یہی ہماری لبیک ہے۔ اسی لئے مولا علی علیہ السلام دعائے کمیل میں عرض کرتے ہیں:۔

اللھم اغفر لی الذنوب التی تحبس الدعا

خدایا! میرے وہ گناہ بخش دے جو دعا کو روکنے کا سبب بنتے ہیں۔

اسی لئے کہتے ہیں کہ دعا بھی انسان کے لئے مطلوب ہے اور وسیلہ ہے یعنی دعا ہمیشہ قبولیت کے لئے نہیں ہوتی۔ اگر دعا قبول نہ ہو تو قبولیت بھی خود مطلوب ہے۔[1]

---

[1] انسان کامل۔ص ۴۲، ۴۳

تلقین کا اثر

ایک معلم کے بہت سے شاگرد تھے لیکن وہ اخلاقی لحاظ سے تندخو تھا اور بچوں کو بہت مارتا۔لڑکے چاہتے تھے کہ کسی دن معلم سے نجات ملے اور سبق سے چھٹی ملے۔ایک دن بچے جماعت میں آئے اور جب استاد پہنچا تو ایک بچے نے استاد کو سلام کیا اور کہا استاد جی! خاکم بدہن آپ بیمار دکھائی دیتے ہیں، سست نظر آتے ہیں۔

استاد نے کہا نہیں مجھے کچھ نہیں، جاؤ بیٹھ جاؤ۔ وہ جا کر بیٹھ گیا۔

پھر دوسرا شاگرد آیا اور کہا استاد جی! آج آپ کا رنگ زرد اور اڑا ہوا ہے، کوئی بیماری تو نہیں؟

اس بار آہستہ سے کہا کچھ نہیں جاؤ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔

تیسرا آیا اور وہی بات دوہرائی۔ اب استاد کی زبان جواب دیتے ہوئے لڑکھڑائی۔ بہرحال اپنے بیمار ہونے کی تردید کی۔

پھر چوتھا، پانچوں اور چھٹا بچہ آیا ہر ایک نے وہی بات دوہرائی۔ آخر استاد جی کو شک گزرا اور کہا ہاں! واقعی آج میری طبیعت ٹھیک نہیں۔

بچوں نے جب اس کے بیمار ہونے کا اقرار سنا تو کہا استاد جی، اگر آپ اجازت دیں تو ہم آج آپ کے لئے شوربا تیار کریں اور آپ کی خدمت کریں۔

استاد آہستہ آہستہ بیمار ہو گیا، لیٹ گیا اور ہائے ہائے کرنے لگا۔ بچوں نے کہا آپ گھر چلیئے کیونکہ آج آپ کی طبیعت خراب ہے اور پڑھا نہیں سکتے۔ بچے تو ہمیشہ یہی دعا مانگتے تھے لہٰذا جا کر کھیل کود میں لگ گئے۔

یہ مولانا رومی کی ایک مثال ہے جو فرد اور معاشرہ کے لئے قابل تجربہ ہے۔ بعض آداب و رسوم میں ناجائز تقلید فرد و معاشرہ کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتی بلکہ ان پر ہدایت یافتہ عقل اور مضبوط روحانیت کی نگرانی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

مہمان کش مسجد

پرانے زمانے میں مہمان خانے، ہوٹل یا مسافروں کی رہائش کے لئے کوئی جگہ نہ ہوتی تھی۔ اگر کوئی آدمی کسی ایسی جگہ جاتا جہاں اس کا کوئی واقف کار نہ ہوتا تو مسجد میں جاتا، وہاں رات بسر کرتا اور پھر آگے چل پڑتا۔ ایک مسجد مہمان کش مشہور ہوگئی۔ کیونکہ جو کوئی مسافر رات کو اس میں سوتا، صبح اس کا جنازہ باہر آتا۔ لیکن کسی کو اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ ایک دن ایک مسافر اس شہر میں آیا، جس کا شہر میں کوئی واقف کار نہ تھا۔ وہ مسجد میں چلا گیا۔ لوگوں نے اسے نصیحت کی کہ اس مسجد میں نہ جائے کیونکہ جو کوئی اس مسجد میں سویا زندہ نہیں بچا۔

مسافر جو شجاع و بہادر تھا، اس نے کہا میں زندگی سے بیزار ہوں اور موت سے نہیں ڈرتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے؟ بہر حال وہ رات کو مسجد میں سویا۔ آدھی رات کو مسجد کی اطراف سے ایسی ڈراؤنی اور ہولناک آوازیں آنے لگیں، جن سے شیر کا پتہ بھی پانی جائے۔ اس نے آوازیں سنیں تو اٹھا اور کہنے لگا جو کوئی بھی ہے آگے آ، میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں تو زندگی سے بیزار ہوں، تیرا جو جی چاہے کر۔ آدمی کی اس آواز کے جواب میں اچانک سہمی ہوئی آواز آنے لگی، مسجد کی دیواریں گرنے لگیں اور مسجد کے خزائن ظاہر ہونے لگے۔

اس کہانی کو سید جمال الدین اسد آبادی نے مثنوی مولوی سے نقل کیا اور کہانی کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ برطانیہ کبیر یا ہر استعماری طاقت اس قسم کا ایک ''ہوا'' ہے کہ جس کی سیاسی تاریکی سے گمراہ قومیں ڈرتی ہیں۔ ان کے دامن میں پناہ لیتی ہیں۔ آخر ان کے ڈرانے والے اوہام ان قوموں کو گرا دیتے ہیں۔ کاش! کسی دن کوئی زندگی سے ناامید مرد پیدا ہو جائے جو مضبوط ہمت اور قوی طاقت والا ہو۔ وہ استعمار کی پرستش گاہ میں جائے، اس میں ناامیدی کی فریاد بلند کرے اور اس کی دیواروں کو توڑ کر استعمار کے طلسم کو ظاہر کر دے۔ [1] کاش! کوئی یورپ و استعمار کے روشن چہرے کی بجائے اس کا چنگیز سے

---

[1] انقلاب اسلامی۔ ۴۶، ۴۷

تاریک تر اندرونہ ظاہر کرے۔

ہمدردی

بطور مثال نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا گیا، تو ایک پرندہ اس آگ کے دریا میں آیا جس آگ میں ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا۔ جب اس پرندے نے جلتی ہوئی آگ دیکھی تو اڑ کر گیا، چونچ میں پانی بھر لایا اور آگ کے شعلوں پر ڈالنے لگا تا کہ ابراہیم علیہ السلام آگ سے بچ جائیں۔

اسے کہا گیا کہ اے ننھی جان! تیرے منہ میں آنے والا پانی کا قطرہ آگ کے اس سمندر کو کیسے بجھا سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں تو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کر رہا ہوں ورنہ میں بھی جانتا ہوں کہ میری لائی ہوئی پانی کی بوند کچھ نہیں کر سکتی۔ [1]

واقعی یہ معمولی کوششیں جو مسلمان اور **مستضعفان** قرآن و اسلام کے لئے کرتے ہیں اور دشمنان اسلام کے سامنے جرات کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں، شاید یہ کافی نہ ہوں۔ اسی طرح وہ کوششیں جو ایرانی، آزادی قدس کے لئے کرتے ہیں۔ وہ امریکہ واستعمار کی زبردست پالیسیوں کے مقابلے میں ناکافی ہوں۔ لیکن مسلمان اپنے مقصد کے لئے ہمدردی کا اظہار تو کر سکتے ہیں۔ ایرانیوں کی آزادی قدس کے لئے کوشش سے یہ بات تو ثابت ہو سکتی ہے کہ قدس کو آزاد کرانے کے لئے وہ اپنے وسائل و حالات کے مطابق کوشاں ہیں۔ یہی معمولی کوشش کسی وقت نار نمرود کی طرح گلزار ہو سکتی ہے۔

آگ ہے اولاد ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے
پھر کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

---

[1] احیاء تفکر السلامی۔ ص ۲۶

فصل چہارم

کجروؤں اور منحرفوں کی زندگی سے عبرت انگیز کہانیاں

شیر کے پنجے کا نشان

نوشیروان ظالم ساسانی بادشاہ کے ایک سپاہی کی بیوی خوبصورت تھی۔نوشیروان اس عورت پر عاشق ہوگیا اور اس کے شوہر کی غیر حاضری میں اس کے گھر تجاوز کے قصد سے گیا۔عورت نے شوہر کے آنے پر اسے بتایا۔مجبور و بیچارے سپاہی نے سوچا کہ عورت کو چھوڑ دینا بہتر وآسان ہے، کیونکہ جان خطرے میں ہے۔اس لئے اس نے فوراً عورت کو طلاق دے دی تا کہ اس کی جان بچ جائے۔ جونہی یہ خبر نوشیروان کو پہنچی تو اس نے فوراً سپاہی کو بلوایا اور کہا میں نے سنا ہے کہ تو نے ایک خوبصورت باغیچہ، جس کا تو مالک تھا، چھوڑ دیا ہے۔آخر کیوں؟

سپاہی نے جواب دیا مجھے اس باغیچے میں شیر کے پنجوں کے نشان نظر آئے تو میں ڈر گیا کہ کہیں مجھے پھاڑ نہ کھائے۔

نوشیروان ہنسا اور کہا اس کے بعد شیر اس باغ میں نہ آئے گا۔[1]

ظالم حکام وسلاطین کی تاریخ ایسے اندوہناک واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

---

[1] مسئلہ حجاب۔ص ۳۰

سلطنت اوراس کی طاقت قوم کی جان و مال و ناموس ہوتی ہے۔ جب یہ طاقت محفوظ نہ ہوتو سلطنت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ مندرجہ بالا کہانی ظلم کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے جو ایک ایسے بادشاہ کا واقعہ ہے جسے غلطی سے عادل کہتے ہیں۔

ہاں کہو نہ کہو

جس زمانے میں نوری سعید عراق پر حکومت کرتا تھا،عراقی اسمبلی کا ایک شیعہ ممبر جو کہ مرحوم امینی کا تعلق دار تھا ان کے پاس آیا۔مرحوم آیت اللہ امینی نے اس سے پوچھا تم نے اس علم لدنی کو کہاں سے سیکھا۔ ہم ہر علمی کام میں اس کے اظہار سے پہلے کافی مطالعہ،غور وخوض اور وقت نظر کرتے ہیں۔لیکن تم سیاسی آدمی، وہ مسئلہ جو اسمبلی میں پیش ہوتا ہے، دو تین گھنٹوں میں پاس کر دیتے ہو یا ٹھکرا دیتے ہو۔

ممبر نے ہنس کر جواب دیا۔بڑی آسان سی بات ہے۔ ہم صبح جب اسمبلی میں جاتے ہیں تو ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ آج کون سا مسئلہ پیش ہوگا۔نوری سعید کا ایک نمائندہ مجلس (اسمبلی) میں آتا ہے،ممبروں سے خطاب کرتا ہے کچھ سے کہتا ہے" **قل نعم** " کہو ہاں اور کچھ دوسروں سے کہتا ہے" **قل لا** " کہو نہیں،اس سے موافق ومخالف لوگوں کا تعین کر دیا جاتا ہے۔بعد میں جب بل اسمبلی میں لایا جاتا ہے تو ایک گروہ اسے پاس کرانے کی کوشش کرتا ہے۔[1] تقریباً تمام حکومتوں اور سلطنتوں میں یہی صورت ہے۔ یہ صرف ایران اسلامی ہے کہ ممبران اسمبلی ضوابط کو جانتے اور آزادی رائے اور قانون بنانے میں پختہ رائے رکھتے ہیں۔

شرعی مسئلہ کی اختراع

تحصیل علم کے دوران ایک سال ہم نجف آباد (اصفہان) گئے ہوئے تھے۔ ماہ رمضان تھا حوزۂ علمیہ میں چھٹیاں تھیں اور وہاں ہمارے کچھ دوست تھے۔ ہم ایک دن

[1] پیرامون انقلاب اسلامی۔ ۱۶۵، ۱۶۴

ایک سڑک عبور کر رہے تھے جب سڑک کے درمیان پہنچے تو ایک دیہاتی سامنے آ گیا اور کہا میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہو۔

اس نے غسل جنابت کا تعلق جسم سے ہے یا روح سے؟ میں نہیں سمجھتا کہ غسل جنابت دوسرے غسل کی طرح ہے۔

میں نے سوچا شاید یہ دیہاتی کوئی صحیح مطلب جانتا ہو، میں نے اسے کہا ایک لحاظ سے اس کا تعلق روح ہے، جبھی نیت کی جاتی ہے اور ایک لحاظ سے جسم سے ہے تبھی جسم دھویا جاتا ہے۔ کیا تیرا یہی مقصد ہے؟ اس نے کہا نہیں جواب درست نہیں۔ جب تم اتنا چھوٹا سا مسئلہ بھی نہیں جانتے تو پھر سر پر عمامہ کیوں رکھے ہوئے ہو؟

بعض ایسے عامیانہ معمے جن کا مذہبی مسائل سے تعلق ہے، بے بنیاد ہیں اور چونکہ ایک دینی عالم ان تمام بے معنی معموں کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس لئے اس سے بے جا توقع کی جاتی ہے۔ دراصل اسلامی مسائل میں اگر کسی نے کہا ''میں نہیں جانتا'' تو عیب نہیں۔ بلکہ عیب یہ ہے کہ کوئی آدمی نہ جانتا ہو اور جہالت و غرور کی وجہ سے غلط جواب دے۔

بے جا حساسیت

ایک شہر میں ایک سوداگر کے ہاں ایک ہی بیٹا تھا چونکہ اکلوتا تھا اس لئے سوداگر کو بڑا عزیز تھا۔ لیکن وہ طبعاً چاپلوس، لاپرواہ اور ماں باپ پر حاوی تھا۔ آہستہ آہستہ خوبرو جوان بنا۔ جوانی، آرام، خوشامد اور لاپرواہی کے ساتھ ساتھ یاوہ گو تھا، باپ بیچارہ بڑا پریشان تھا اور بیٹا اس کی باتوں پر بالکل کان نہ دھرتا تھا۔ چونکہ اکلوتا تھا اس لئے باپ اسے جھڑکتا بھی نہ تھا اندر ہی اندر کڑھتا تھا بیٹے کی آوارگی اس حد تک پہنچی کہ آوارہ عورتوں کو گھر لانے لگا۔ گھر میں مذہبی مجالس کی بجائے شراب و کباب کی محافل جمنے لگیں۔ باپ یہ دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا اور کچھ نہ کہتا۔ اس زمانے میں ایران میں تازہ تازہ ٹماٹر آئے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ برطانیہ سے آئے ہوئے تھے، اس لئے مبلغ کہتے کہ

برطانیہ سے آئی ہوئی اشیا حرام ہیں۔ لوگ ان ٹماٹروں سے بتدریج متنفر ہو رہے تھے۔

ایران میں ان ٹماٹروں کو ارمنی بینگن کہنے لگے۔ یہ نام ٹماٹروں کے لئے مخصوص تھا کیونکہ گوجہ فرنگی (ٹماٹر) صرف گوجہ کے وطن کی تشخیص کرتا تھا لیکن ارمنی بادنجان (بینگن) مذہب اور دین کو معین کرتا تھا۔ لوگوں میں ٹماٹروں کے لئے تعصب اور ایک احساس نفرت پیدا ہو گیا۔

ایک دن سوداگر کو گھر والوں نے خبر دی کہ تمہارے بیٹے نے آج ایک نیا گل کھلایا ہے وہ ایک گٹھری بینگن (ٹماٹر) لایا ہے۔ بظاہر یہ معمولی بات تھی، لیکن تاجر کو ایک عجیب سا احساس ہو گیا، نفرت ہو گئی، شراب و کباب برداشت کر لئے، لیکن ٹماٹر لانے پر سوچنے لگا۔ بیٹے کو ناراض ہو کر کہا تو نے شراب پی، میں نے صبر کیا، تو بدمعاش عورتوں کو گھر لایا، ان کے پیچھے بھاگا میں نے صبر کیا، تو نے جوا کھیلا میں برداشت کر گیا، تو نے میرے گھر کو شراب و کباب کا مرکز بنایا، میں دیکھتا رہا، اب حد یہ ہو گئی ہے کہ ارمنی باونجان (برطانوی ٹماٹر) میرے گھر میں لے آیا ہے، اب میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں تجھ جیسے بیٹے کے بغیر بھلا۔ میرے گھر سے جہنم میں جا میری بلا سے۔

یہ احساسات کا نمونہ ہے جو بے بنیاد امور سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ حساسیت کی حد ہے کہ ٹماٹر، شراب، جوئے اور فحشات سے بھاری ہو جاتا ہے۔ [1]

مجھے اپنی جد کا اختیار ہے

ایک شہر میں مجلس عزا تھی، بزرگ علما میں سے ایک مجلس میں حاضر تھے۔ اس حال میں ایک سید نے مصائب پڑھنا شروع کئے۔ مصائب کے دوران بعض غلط سلط روایات بھی پڑھیں۔ وہ عالم جلیل مجتہد برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے دین، مذہب اور اہل بیتؑ کی محبت میں جھوٹ پسند نہ کیا۔ لہٰذا روضہ خوان سے کہا کہ کیا پڑھ رہا ہے۔؟ روضہ خوان (ذاکر) نے کہا آقا! آپ فقہ و اصول سنبھالیں مجھے اپنی جد کا اختیار ہے۔

---

[1] امداد ھای غیبی در زندگی بشر

یہ کام اور نظریہ ایک ایسا غلط اقدام ہے جس سے دین پر کاری ضرب پڑتی ہے۔ جب ہدف مقدس ہو تو اس کے لئے وسائل بھی مقدس ہونے ضروری ہیں۔ جھوٹ نہ ہو، غیبت نہ ہو، تہمت نہ ہو۔ نہ صرف ذاتی فائدہ بلکہ دین کے لئے بھی غلط کام نہ کریں۔ کیونکہ اس طرح دین کی بدنامی ہوتی ہے اور دین مقدس ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ [1]

وسیلہ

جنگ صفین شروع ہو گئی، حضرت علی علیہ السلام میدان میں آئے اور آواز دی اے معاویہ! خواہ مخواہ مسلمانوں کو کیوں مرواتا ہے تو خود میدان میں آ ہم دونوں آپس میں جنگ لڑیں۔ عمرو بن عاص جو شیطانیت ورذالت کا مجسمہ تھا یہ بات سن کر معاویہ کی طرف مڑا اور تمسخر کے طور پر کہا علیؑ ٹھیک کہتا ہے تو بھی تو بہادر آدمی ہے، اسلحہ اٹھا اور علی علیہ السلام کو جواب دے۔

معاویہ جانتا تھا کہ اس کا حریف کمزور نہیں اور اگر میدان میں گیا تو مارا جائے گا۔ عمرو عاص کی بات نہ مانی۔ آخر ایک دن معاویہ نے حیلہ بہانہ سے عمرو عاص کو میدان جنگ میں بھیجا۔ عمرو عاص جو قدرے نڈر اور بے باک آدمی تھا اور اس نے مصر کو بھی فتح کیا تھا۔ جنگ کا لباس پہن کر میدان میں آیا اور رجز پڑھا۔ لیکن ساتھ ہی کونے کھدرے تاڑنے لگا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کے مقابلے میں نہ آ جائیں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے مقابلے میں حضرت خود نہیں آئیں گے۔ لیکن اس نے آواز یہ دی کہ میں تمہاری عورتوں کا منتظر نہیں بلکہ ابوالحسن علیؑ کے انتظار میں ہوں۔ علی کیوں میدان میں نہیں آتے؟

امیر المومنین علیہ السلام بڑے آہستہ آہستہ اچانک میدان میں آ گئے تا کہ عمرو عاص کو پہلے خبر نہ ہو۔ جب اچانک اس کے سامنے آئے تو آواز دی۔ **انا الامام القریشی المومن**۔ میں قریشی امام علیؑ ہوں۔ عمرو عاص کے ہوش اڑ گئے، جی چھوڑ گیا، فوراً گھوڑا

---

[1] سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۳۷

لوٹا یا اور فرار ہو گیا۔ علیؑ نے اس کا پیچھا کیا اور تلوار ماری۔ عمرو عاص نے اپنے آپ کو گھوڑے سے گرایا اور چونکہ جانتا تھا کہ علی علیہ السلام بڑے شریف النفس اور شریعت کے عامل ہیں۔ اس لئے اپنے آپ کو ننگا کر دیا۔ علی علیہ السلام نے رخ پھیر لیا اور عمرو عاص اٹھ کر بھاگ گیا۔

بد مستی

ایک دن ایک آدمی ایک عرق فروش کی دوکان پر گیا اور دکاندار سے کہا کہ ایک شاہی (انتہائی چھوٹا سکہ) کا عرق دے دکاندار نے کہا ایک شاہی کا عرق نہیں آتا؟ اس نے کہا جتنا ملتا ہے دے۔

دوکاندار نے کہا ایک شاہی کا کچھ بھی نہیں ملتا۔ اس نے کہا جتنا بھی ممکن ہو خواہ جتنا کم ہو، دے۔ جو لوگ مستی کے لئے عرق پیتے ہیں اتنی مقدار جو مستی نہیں لاتی اور کوئی فائدہ بھی نہیں دیتی مستی کی ہوس کو تسکین دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

واقعی بعض لوگ بعض بے جا بہانے بنا لیتے ہیں مثلاً ہر اہل بدعت کے لئے جھوٹ گھڑنا، ہر جھوٹ جائز سمجھ لینا، جس آدمی سے ذاتی دشمنی ہو اس کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا، تہمت لگانا، جھوٹ بولنا یاوہ گوئی کرنا وغیرہ۔ لیکن سوچنا چاہئے کہ اہل بدعت کے لئے ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں کہیں سچے دین کے لئے نقصان دہ تو نہیں۔ معصومؑ کا فرمان ہے کہ کسی کے جھوٹے خدا کو گالی نہ دو ایسا نہ ہو کہ تمہارے سچے خدا کو گالی دے۔

مکہ میں مکہ کے پیاز

جس زمانے میں ابو ہریرہ معاویہ کی طرف سے مکہ کا گورنر تھا۔ ایک آدمی بہت سے پیاز بیچنے کے لئے مکہ لایا۔ لیکن مکہ میں پیاز کا بازار سرد تھا۔ کسی نے ایک پیاز بھی نہ خریدا۔ پیاز بیچنے والے نے بہت سوچا کہ اس کساد بازاری میں کیا کرے؟ آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ مکہ کے گورنر ابو ہریرہ سے مل کر اپنا حال بتائے۔ جب ابو ہریرہ کے پاس گیا تو

ابو ہریرہ سے کہا گیا کوئی ثواب کا کام کر سکتے ہو؟ ابو ہریرہ نے پوچھا کون سا ثواب؟

اس نے کہا میں ایک مسلمان ہوں، میں نے سنا تھا کہ مکہ میں پیاز نہیں ہوتا اور نایاب ہے۔ یہاں کے لوگوں کو پیاز کی بڑی ضرورت ہے۔ میرے پاس جتنا سرمایہ تھا سب کا پیاز خریدا اور مکہ لے آیا۔ لیکن یہاں کا کوئی آدمی پیاز دیکھتا بھی نہیں۔ اس طرح پیاز خراب ہو رہا ہے اور میرا سرمایہ ڈوب رہا ہے، میری مدد کرو اور ایک مسلمان کا مال ضائع ہونے سے بچاؤ۔

ابو ہریرہ نے کہا اگلے جمعہ کو جب نماز جمعہ کا وقت ہو تو سارا پیاز لا کر مسجد کے باہر رکھ لینا۔ اس نے ابو ہریرہ کے کہنے پر عمل کیا۔ جب لوگ نماز جمعہ کے لئے آئے تو ابو ہریرہ نے کہا اے لوگو! میں نے اپنے دوست رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا جو کوئی مکہ میں مکہ کے پیاز کھائے گا اس پر بہشت واجب ہو جائے گی۔

جب لوگوں نے ابو ہریرہ کی یہ تقریر سنی تو پیاز پر جھپٹ پڑے آناً فاناً سارا پیاز فروخت ہو گیا۔

شاید ابو ہریرہ اپنے وجدان میں بڑے خوش ہوں گے کہ ایک مسلمان کو نجات مل گئی، اس کا کام ہو گیا۔ یہی ذاتی منافع اور بے جا جاہ وجلال کی خواہش تھی جس نے دین و مذہب کو بدنام کیا۔ حالانکہ سیرۃ انبیاء یہ ہے کہ اپنے حق کے لئے بھی باطل سے فائدہ نہ اٹھاتے، کیونکہ

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔[1]

ایک دوست نے بیان کیا کہ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا۔ اور اسے علاج کے لئے اطالیہ لے جایا گیا۔ آپریشن ہوا جس کے بعد کمزوری تھی۔ ایک ہوٹل میں بیٹھا تھا جبکہ میرا بیٹا میری خدمت میں مصروف تھا میں نے آگے پیچھے دیکھا تو ہوٹل کے ایک کونے میں ایک مرد اور عورت نظر آئے جو کہ ہمیں بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا میاں

[1] سیرۃ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۸، ٦٧

بیوی ہیں۔ جونہی میرا بیٹا ان کے پاس سے گزرا انہوں نے اس سے کوئی بات پوچھی جس کا اس نے جواب دیا۔ جب میرا بیٹا لوٹا تو میں نے پوچھا کیا کہتے تھے؟ کہنے لگا پوچھتے تھے یہ آدمی کون ہے جس کی تو اتنی خدمت کررہا ہے۔ میں نے کہا یہ میرا والد ہے۔ بیمار ہے اس لئے علاج کے لئے آیا ہے یہی مجھے پڑھنے کے لئے اخراجات بھیجتا ہے۔ انہوں نے بڑا تعجب کیا کہ ایک باپ اپنے بیٹے کے اخراجات دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے اور کہا ہمارا بھی ایک بیٹا ہے جو فلاں ملک میں پڑھتا ہے۔ بعد میں میرے بیٹے نے بتایا کہ اس نے تحقیق کی تھی ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا کیونکہ ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی تھی انہوں نے جھوٹ بولا۔ وہ تیس سال قبل ایک دوسرے کو ملے اور آپس میں طے کیا کہ اگر ایک دوسرے کے اخلاق انہیں پسند آ گئے تو رسماً شادی کرلیں گے ابھی ایک دوسرے کو پسند ہی کررہے تھے۔

یہ مغرب کی اصل سیاہی ہے جو سیاہ دل مصنوعی زندگی گزار رہے ہیں۔ اب مغرب کو احساس ہونے لگا ہے کہ حقیقی زندگی کا نظریہ مشرقی ہے، مغربی زندگی تو بڑی خشک ہے۔ [1]

باپ کا جسم بھی بیچ دیا

مرحوم آقا محقق جو کہ حضرت آیت اللہ العظمیٰ بروجردی کی طرف سے جرمنی گئے تھے۔ انہوں نے بڑی عجیب بات بیان کی فرمایا:۔

میرے جرمنی میں قیام کے دوران جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں ایک پروفیسر بھی تھا۔ جو اکثر میرے پاس آتا اور میں بھی اس سے مغز ماری کرتا۔ اسے سرطان ہوگیا اور ہسپتال میں داخل ہوگیا۔ میں اور دوسرے مسلمان ایک دن اس کی بیمار پرسی کے لئے گئے تو شکایت کرنے لگا کہ جب میں بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہوا اور ڈاکٹروں نے سرطان تشخیص کیا تو میرے بیٹے اور بیوی نے کہا ہمیں پتہ چلا ہے کہ تمہیں سرطان ہوگیا ہے

[1] انسان کامل۔ ص ۶۹، ۱۶۸

اور قریب المرگ ہو۔ خدا حافظ ! ہم جا رہے ہیں اور چلے گئے۔ انہیں بالکل خیال نہ آیا کہ مجھے اس وقت محبت و مدد کی ضرورت تھی۔

آقا محقق کہتے ہیں کہ میں اکثر اس سے ملنے اور بیمار پرسی کرنے جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن ہسپتال والوں نے بتایا کہ مر گیا ہے ہم اس کا کفن دفن تیار کرنے لگے تو اچانک اس کا بیٹا بھی آ گیا۔ ہمیں کفن دفن سے روک دیا کیونکہ اس نے باپ کی میت ہسپتال کے پاس بیچ دی تھی۔ اس نے رقم لی اور میت ہسپتال کو دے دی واقعی یورپ میں ہمدردی نہیں رہی حتیٰ کہ بیٹے کے دل میں بھی باپ کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں وہ باپ کی کھال تک سے رقم کمانے کی فکر میں ہے۔ جب انسانیت اتنی گر جائے تو پھر چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

عبادت میں زیادتی

عمرو عاص کے دو بیٹے تھے۔ عبداللہ اور محمد دوسرا بیٹا محمد باپ کی طرح دنیادار، ہوس پرست اور حکومت کا خواہاں تھا۔ باپ ہمیشہ علیؑ کی پیروی کرنے سے روکتا تھا کہ تجھے ان سے خیر نہیں ملے گی۔ ان کی بجائے معاویہ کی مدد میں کوتاہی نہ کر۔ لیکن محمد کے برعکس عبداللہ شریف تھا۔ جب اس کا باپ عمرو اس سے مشورہ کرتا تو وہ باپ کو علی علیہ السلام کی طرف داری کی ترغیب دیتا۔ عبداللہ عبادت کی طرف بھی مائل تھا ایک دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے راستہ میں ملے اور فرمایا عبداللہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تو رات کو صبح تک عبادت کرتا ہے اور دنوں کو روزہ رکھتا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ٹھیک ہے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیکن میں ایسا نہیں ہوں اور اسے ٹھیک نہیں سمجھتا۔ [1]

انسان کو ہمیشہ اعتدال اپنانا چاہیے۔ افراط و تفریط نہ کرے، چیز جائز ہو، عبادت میں بھی اندازہ ہو، زندگی اور اجتماعی روابط کا لحاظ رکھا جائے۔

---

[1] انسان کامل۔ ص ۲۳

حسد کی آگ

ایک خلیفہ کے زمانے میں ایک امیر نے ایک دن بازار سے ایک غلام خریدا۔ لیکن جس دن سے اسے خریدا اس کے ساتھ غلام کا سا سلوک نہ کیا بلکہ آقا کی طرح اسے بہترین غذا، بہترین لباس اور ہر قسم کی آسائش مہیا کرتا۔ اسے اپنے بیٹے کی طرح سمجھتا بلکہ بیٹے سے بھی پیارا رکھتا اس لطف و کرم کے علاوہ کافی رقم بھی اس کے حوالے کر رکھی تھی۔ غلام ہمیشہ اپنے شفیق آقا کو سوچ بچار میں بے آرام پاتا۔ آخر اس نے غلام کو کافی رقم دے کر آزاد کرنے کا اشارہ دیا۔ ایک رات غلام کو کہا میں تجھے آزاد کرنے اور یہ سارا سرمایہ دینے پر تیار ہوں۔ لیکن کیا تو جانتا ہے کہ میں نے یہ تیری ساری پرورش و خدمت کس لئے کی؟

غلام نے کہا نہیں کس لئے تھی؟

آقا نے کہا صرف اس لئے کہ اگر تو میرا ایک کام کر دے تو میں نے جو کچھ تجھے دیا تجھ پر حلال ہے اور اگر یہ کام نہ کیا تو میں راضی نہ ہوں گا۔ اگر تو میرا یہ کام کرنے پر تیار ہے تو میں تجھے زیادہ بھی دوں گا۔ غلام نے کہا فرمائیں وہ کیا خدمت ہے تاکہ میں بجا لاؤں۔ تو میری نعمت ہے تو نے مجھے زندگی دی۔

آقا نے کہا نہیں۔ پختہ ارادہ کر، میں ڈرتا ہوں کہ تو میری فرمائش کو رد نہ کر دے؟ غلام نے کہا مطمئن رہ جو کچھ کہے گا کروں گا۔

جونہی آقا نے غلام سے وعدہ لے لیا، کہا میری فرمائش یہ ہے کہ تو ایک خاص موقع پر ایک مخصوص مکان میں جو میں، مقرر کروں گا، میرا سر گدی سے اتار دے۔ غلام نے کہا کس لئے؟ آقا نے کہا میرا یہی حکم ہے۔ غلام نے کہا ایسا ممکن نہیں۔

اس گفتگو کو کچھ مدت گزر گئی حتیٰ کہ ایک رات آقا نے غلام کو جگایا اس کے ہاتھ میں تیز چھری دی اور دوسرے ہاتھ سے اس کو پکڑا۔ آہستہ آہستہ چلے اور ہمسائے کی چھت پر گئے۔ وہاں غلام کو روپوں کی ایک تھیلی دی اور کہا یہیں میرا سر اتار اور جہاں چاہے چلا جا۔

غلام نے پوچھا کیوں؟ آقا نے کہا میں اس مالک مکان کو دیکھ نہیں سکتا۔ یہ میرا رقیب ہے۔ میں اس سے حسد کی آگ میں جل رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اس کے مکان کی چھت پر قتل کر دے۔ میرا قتل اس کے ذمے لگے گا، یہ پکڑا جائے گا اور میری روح کو آرام ملے گا۔ جب غلام نے دیکھا کہ یہ آدمی اس حد تک احمق و مجبور ہے تو سوچا پھر میں یہ کام کیوں نہ کروں؟ اس کو قتل کرنا ہی اچھا ہے۔ اس نے چھری آقا کی گردن پر پھیر دی۔ سر گدی سے کاٹ دیا، روپوں کی تھیلی اٹھائی اور یہ جا کہ وہ جا۔

دوسرے دن قتل کی خبر شہر بھر میں مشہور ہو گئی۔ رقیب یعنی مالک مکان کو پکڑ لیا گیا۔ زندان میں ڈالا گیا، مقدمہ کی سماعت ہوئی جب فرد جرم لگانے لگے تو اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر یہ قاتل ہوتا تو اپنے گھر کی چھت پر رقیب کو کیوں قتل کرتا، واقعہ ایک معمہ بن گیا۔

دوسری طرف غلام کو قرار نہ آیا، آگے بڑھا اور حکومت کے سامنے حقیقت کا راز فاش کیا۔ ساری حقیقت بیان کی کہ قتل میں نے کیا ہے، اس نے مجھے مجبور کر کے اپنے آپ کو قتل کرایا۔ وہ اس مکان کے مالک سے حسد کی وجہ سے بے چین تھا۔ مجھے مجبور کیا کہ اس کے مکان پر اسے قتل کروں۔ لوگ حقیقت سن کر مطمئن ہو گئے۔ غلام اور رقیب دونوں کو چھوڑ دیا۔

واقعی یہ ایک حقیقت ہے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ حسد میں مبتلا ہو جائے تو اس مرحلے پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ ختم ہو جائے تو ہو جائے کم از کم رقیب تو کسی الجھن میں پھنس جائے۔ [1]

جاہل تند ہوتا ہے یا کند

ربیع بن خشیم جو خواجہ ربیع مشہور ہیں۔ امیر المومنین علی علیہ السلام کے ایک صحابی ہیں جو کہ دنیا کے آٹھ زاہدوں میں سے ایک ہیں۔

---

[1] انسان کامل۔ ۱۴، ۱۳، ۱۲۔

ربیع بن خشیم زہد و عبادت میں اتنے بلند رتبہ پر فائز ہوئے کہ آخر عمر میں اپنی قبر خود کھود لی۔ کبھی کبھی اس میں جاتے اور سوتے تھے اپنے آپ کو وعظ کر کے کہتے تھے۔ اے ربیع! تجھے نہیں بھولنا چاہئے کہ آخر یہاں ہی آنا ہے۔ ربیع ذکر خدا کے بغیر کوئی بات نہ کرتے۔ ذکر و دعا کے بغیر، جو اس سے سنا گیا وہ اس وقت تھا کہ کچھ لوگوں نے اسے بتایا کہ حسین بن علی کو شہید کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس تاثر و افسوس کو ظاہر کرنے کے لئے ایک جملہ کہا جس کا مطلب یہ تھا۔ اس امت پر افسوس! کہ اپنے پیغمبر کے بیٹے کو شہید کر دیا۔ کہتے ہیں اس کے بعد استغفار کی اور کہا میں نے جو جملہ ذکر خدا کے بغیر ہے، زبان سے کیوں کہا اس نے اپنی عمر کے بیس سال عبادت میں گزارے اور دنیا کے بارے میں ایک بات بھی نہ کی جبکہ اس عرصے میں تین بزرگ آئمہ شہید ہوئے یعنی امام علی امام حسنؑ اور امام حسینؑ۔ یہی آدمی امیر المومنینؑ کے زمانے میں آپ کے سپاہیوں میں شمار ہوتا تھا۔ ایک دن امامؑ کی خدمت میں عرض کیا یا امیر المومنینؑ مجھے اس جنگ کے بارے میں شک ہے، مجھے ڈر ہے کہ یہ جنگ شرعی ہے یا نہیں۔ کیوں؟ جب ہم اہل قبلہ سے جنگ کر رہے ہیں، ان لوگوں کے ساتھ لڑ رہے ہیں جو ہماری طرح کلمہ شہادتیں پڑھتے ہیں اور ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں۔

ربیع اپنے آپ کو شیعہ کہتا تھا اور علیؑ سے بالکل الگ نہیں ہونا چاہتا تھا اس لئے کہا یا امیر المومنینؑ میری خواہش ہے کہ مجھے کوئی ایسا کام تفویض کریں کہ جس میں شک کا وجود نہ ہو مجھے کسی ایسی جگہ اور ایسے کام پر لگائیں کہ اس کی تردید نہ ہو۔

حضرتؑ نے منظور کیا اور اسے ایک سرحد پر بھیجا کہ اگر جنگ ہوئی تو تیرے مقابل کفار، مشرکین اور غیر مسلم ہوں گے۔

اس زمانے کے زاہدوں اور عابدوں کا یہ ایک نمونہ تھا لیکن اس زہد و عبادت کی کیا قدر؟ اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ آدمی علیؑ جیسے مرد کے ہم کاب ہو لیکن جس راہ کو علیؑ اختیار کریں، راہنمائی کریں اور جہاد کا حکم دیں تو یہ شک کرے اور عمل پر احتیاط کرے۔

اسلام بصیرت و عمل کو جڑواں چاہتا ہے۔ یہ آدمی (خواجہ ربیع) بصیرت نہیں رکھتا تھا جب اسلام پر معاویہ و یزید کے ظلم و ستم اور مخالفت دیکھتا ہے اس وقت ایک کونے میں جا کر رات دن نماز اور خدا کا ذکر کرتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور نظر کی شہادت پر صرف ایک جملہ کہتا ہے یعنی استغفار کرتا ہے۔ کیا یہ تعلیمات اسلام پر ظلم نہیں؟ ہمیشہ **الجاهل لفرط اولفرط جاهل** تند ہوتا ہے یا کند۔ صرف ذکر و دعا و عبادت پر اکتفا کرتا ہے یا اس کے برعکس عبادات اور معنوی ارکان کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور فقط سیاسی و اقتصادی اور اجتماعی مسائل کے متعلق سوچتا ہے جو دونوں غلطیاں ہیں۔ [1]

تحریف کا خطرہ

ایک عالم نقل کرتے ہیں کہ جوانی میں ایک ثنا خوان تہران سے مشہد آیا ہوا تھا دن کے وقت مسجد گوہر شاد یا صحن میں کھڑا ہو جاتا اور شعر پڑھتا تھا۔ ثنا خوانی کرتا اور حافظ سے منسوب غزل پڑھتا تھا۔

اے دل غلام شاہ جہاں باش و شاہ باش
پیوستہ در حمایت لطف الہ باش
قبر امام ہشتم و سلطان دیں رضا
از جاں ببوس و بر درآں بارگاہ باش

ایک آدمی اسے تھپڑ مارنے بڑھا اور اس مداح سے کہا اس شعر کو غلط کیوں پڑھتے ہو اس طرح پڑھنا چاہئے

قبر امام ہشتم و سلطان دیں رضا
از جاں ببوس و بردر آں بارکاہ باش

یعنی جب تو حرم کے دروازے پر پہنچے تو جس طرح ایک کاہ کے بوجھ کو گدھے پر سے گراتے ہیں تو خود کو فوراً زمین پر گرا دے۔ اس کے بعد وہ مداح بیچارہ جب بھی اس شعر

---

[1] گفتار ھای معنوی۔ ص ۵۴

کو پڑھتا تھا تو بارگاہ کی بجائے بارکاہ کہتا اور اپنے آپ کو زمین پر گرا دیتا تھا۔

اسے تحریف کہتے ہیں۔ اگر چہ تحریف کے درجے ہیں ایک تو حافظ کے شعر میں تحریف ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں اور دوسرے اجتماعی یا اعتقادی طور پر تحریف ہے جو کہ بہت خطرناک ہے البتہ ایک بیش قیمت ادبی کتاب یا شعر میں تحریف نہیں کرنی چاہئے۔

کیا تو مرثیہ خواں ہے

ایک شخص صاحب رمقامع مرحوم کے پاس گیا۔ انہیں بتایا کہ کل رات میں نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا پوچھا تو نے کیا خواب دیکھا؟

کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں اپنے ان دانتوں سے امام حسینؑ کے جسم کا گوشت کاٹ رہا ہوں۔

صاحب رمقامع اس بات پر لرز گئے سر جھکا دیا کچھ دیر سوچ کر کہا شاید تو مرثیہ خوان ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں۔

فرمایا اس کے بعد تو روضہ خوانی بالکل چھوڑ دے یا معتبر کتابوں سے بیان کیا کر تو اپنے جھوٹ بولنے کی وجہ سے امام حسینؑ کے بدن کا گوشت کاٹتا ہے۔ یہ خدا کی مہربانی ہے کہ تجھے خواب میں اس سے آگاہ کر دیا گیا۔

باوجودیکہ عاشورہ کی کافی مستند اور جامع تواریخ ہیں، لیکن افسوس کہ بعض ذاکرین و واعظین اور مرثیہ خوان درست اور معتبر باتیں یاد کر کے پڑھنے کی بجائے، بے بنیاد اور جھوٹی روایات پڑھتے ہیں۔ [1]

بدآواز موذن

ایک شہر میں ایک کرخت آواز موذن رہتا تھا جو ہر روز کرخت آواز میں اذان کہتا تھا ایک دفعہ ایک یہودی اس کے لئے ہدیہ لایا اور کہا کیا تو یہ ہدیہ قبول کر لے گا؟ اس

---

[1] حماسہ حسینی۔ ج،۱ص ۱۰

نے کہا کس وجہ سے؟ اس نے کہا کہ تو نے میرا ایک بہت بڑا کام کیا ہے مجھ پر احسان کیا ہے۔ اس نے کہا کون سا کام؟ میں نے تو تمہارا کوئی کام نہیں کیا۔ اس نے کہا میری ایک بیٹی ہے جو اسلام کی طرف مائل تھی۔ جس وقت اس نے تمہاری اللہ اکبر کی آواز سنی تو اسلام سے بیزار ہوگئی اس لئے میں یہ ہدیہ لایا ہوں۔ گویا تو نے مجھ پر احسان کیا ہے اور میری لڑکی کو مسلمان نہیں ہونے دیا۔

فقہ اسلامی میں ہے کہ موذن سریلا ہو یعنی خوش الحان ہو، کیونکہ جب کسی خوش الحان کی آواز سنائی دیتی ہے تو اذان کے کلمات دل پر اثر کرتے ہیں۔ اسی طرح تلاوت قرآنی اور تبلیغ بھی خوش الحانی سے کرنی چاہئے تا کہ سننے والے پر اثر زیادہ ہو۔ [1]

پتھر کے زور سے گریہ

نجف کے ایک یزدی طالب علم نے بیان کیا کہ میں جوانی میں ایک دفعہ کویر سے خراسان پیدل جارہا تھا۔ نیشاپور کے قریب ایک دیہات میں ایک مسجد تھی، چونکہ میرا وہاں کوئی واقف کار نہ تھا اس لئے مسجد میں چلا گیا۔ مسجد کا پیش نماز آیا، نماز پڑھی اور منبر پر چڑھ گیا۔ میں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ مسجد کا خادم آیا، کچھ پتھر لایا اور واعظ کو دیئے، جب مصائب شروع کیا تو چراغ گل کرنے کا حکم دیا، جب چراغ بجھ گئے تو اس نے سامعین پر پتھر برسانے شروع کئے، جس سے لوگوں کی آہ وزاری کی آوازیں بلند ہوئیں۔

دوبارہ چراغ جلے تو میں نے دیکھا کہ لوگوں کے سر زخمی تھے اور روتی ہوئی آنکھوں سے مسجد کے باہر جارہے تھے۔ میں پیش نماز کے پاس گیا اور پوچھا تو نے یہ کیا کیا۔ اس نے کہا میں نے امتحان لیا ہے چونکہ یہ لوگ کسی بھی مصائب کے ذکر پر نہیں روتے اور امام حسینؑ پر گریہ کرنے کا بے حد اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ میں نے ان کو رلانے کا یہی طریقہ ڈھونڈھا کہ انہیں پتھر مارے جائیں۔ میں اس طرح انہیں رلاتا ہوں۔

---

[1] حماسہ حسینی۔ ج ۱، ۱۹۳، ۱۹۲،

یہ ان لوگوں کی منطق ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ ہدف کے لئے جو بھی ذریعہ اختیار کیا جائے جائز ہے۔ ہدف امام حسینؑ گریہ ہے خواہ اس کے لئے لوگوں کو پتھر بھی مارنے پڑیں۔ [۱]

بے مثل مقابلہ

کریب بن صباح معاویہ کے فوجیوں میں سے ایک تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اتنا طاقتور تھا کہ ہاتھوں میں سکے کو مسل کر اس پر سے نشان مٹا دیتا تھا۔ جنگ صفین میں آگے بڑھا اور مبارز طلب کیا۔ امیر المومنین علی علیہ السلام کے لشکر کے بہادروں میں سے ایک میدان میں گیا، تھوڑی ہی دیر میں کریب نے امیر المومنین علیہ السلام اس صحابی کو مار دیا اور اس کا لاشہ ایک طرف پھینک دیا۔

دوبارہ رجز پڑھا ایک اور جری آیا اسے بھی قتل کر دیا۔ فوراً گھوڑے سے اترا اور اس کی میت پہلی میت پر رکھ دی پھر مبارز پڑھا علیؑ کے اصحاب میں سے تیسرا اور چوتھا آدمی آیا لیکن جلد ہی کریب کے ہاتھوں مارے گئے۔ آخر اس نے شجاعت و بہادری کے اتنے کرتب دکھائے کہ علی علیہ السلام کے لشکر کے سامنے لوگ پیچھے چلے گئے تا کہ اس کے سامنے نہ آئیں۔ یہ دیکھ کر علی خود آئے اور اسے ایک ہی وار میں قتل کر کے اس کا لاشہ ایک طرف پھینک دیا اس کے بعد آواز دی تو دوسرا آیا اسے بھی قتل کر کے لاشہ کریب کے لاشہ کے اوپر رکھ دیا دوبارہ کہا لا رجل کوئی اور مرد، حتیٰ کہ اسی طرح چار آدمی یکے بعد دیگرے آئے اور مولا علی علیہ السلام کی تلوار سے فی النار ہوئے پھر کسی نے آنے کی جرات نہ کی اس وقت علی علیہ السلام نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ [۲]

---

[۱] مدرک پیشین۔ ۴۵، ۴۴

[۲] سورۂ البقرہ: ۱۹۴

پھر فرمایا اے اہل شام! اگر تم نے جنگ شروع نہ کی ہوتی تو ہم بھی شروع نہ کرتے جب تم نے ایسا کیا تو ہم نے بھی ویسا ہی کیا۔ [1]

ہدف حسین علیہ السلام کی تحریف

متوکل کی ایک گائین ورقاصہ سب کی سردار تھی، ایک دن متوکل کو اس سے کوئی کام تھا، تلاش کی گئی تو نہ ملی۔ پوچھا کہاں ہے؟ بتایا گیا کسی سند پر گئی ہے۔ مدت کے بعد جب یہ عورت لوٹی تو اس سے متوکل نے پوچھا کہاں گئی تھی، کہا مکہ گئی ہوئی تھی۔

متوکل نے کہا اب تو مکہ کی زیارت پر جانے کا کوئی موسم نہیں۔ نہ ماہ ذولحجہ ہے کہ حج کا وقت ہو نہ ماہ رجب کہ عمرہ کا وقت۔ صحیح صحیح بتا کہ کہاں گئی تھی؟ آخر کار پتہ چلا کہ زیارت امام حسین علیہ السلام کے لئے گئی تھی۔ متوکل بگولہ ہو گیا کہ امام حسین علیہ السلام بھلایا نہیں جا رہا ہے۔

جب دشمن نے دیکھا کہ حسین علیہ السلام عاشورا اور کربلا کا نام لوگوں کے ذہنوں سے محو نہیں کیا جا سکتا تو اس نے ہدف حسین علیہ السلام میں تحریف کرنا چاہی اور جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا حسین علیہ السلام کے متعلق بھی کہنے لگے کہ حسین علیہ السلام اس لئے قتل ہوئے کہ امت کے گناہوں کو دھوئیں۔

بے مقصد عزاداری

مرحوم آیت اللہ بروجردی رضوان اللہ علیہ کی مرجعیت کے شروع کے سال تھے جب آپ کافی موثر تھے۔ انہیں اطلاع دی گئی کہ قم میں شبیہ خوانی کی شکل بڑی بھدی اور خراب ہے۔ آپ نے تمام انجمنوں کے صدور کو اپنے مکان پر دعوت دی اور حاضرین سے پوچھا کہ تم کس کے مقلد ہو تمام نے کہا آپ کے۔ فرمایا اگر میرے مقلد ہو تو میرا فتویٰ ہے کہ تم جو اس شکل کی شبیہ بناتے ہو حرام ہے۔ لوگوں نے بڑے ادب سے عرض کیا آقا ہم

---

[1] حماسہ حسینی۔ ا،ص ۲۶۳، ۲۶۲

تمام سال آپ کے مقلد ہیں صرف یہ تین چار دن آپ کی تقلید نہیں کرتے یہ کہا اور چلے گئے گویا انہوں نے مرجع کی تقلید کی پرواہ نہ کی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہدف امام حسینؑ نہیں، ہدف اسلام نہیں۔ ہدف نمائش ہے جس سے دوسرے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں یا کم از کم لذت اٹھاتے ہیں یا دماغی عیاشی کرتے ہیں جیسا کہ آج کل پاکستان میں ذاکرین اور سامعین دونوں کا وطیرہ ہے۔ [1]

[1] حماسہ حسینی، ج ۱۔ص ۱۸۵

فصل پنجم

حماسہ ہائے حسین علیہ السلام و امام بارگاہوں سے حکایت

حکمرانی کے لئے دہشت ناک واقعہ کا سبب بنا

مغیرہ بن شعبہ عرب کے ذہین اور منصوبہ باز آدمیوں میں سے ہے۔ وہ مدت تک کوفہ کا حاکم رہا۔ معاویہ بن ابی سفیان نے اس کو حکومت سے الگ کر دیا مغیرہ کوفہ کی حکومت حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتا۔ اس لئے بہت بے آرام و بے چین تھا۔ اس نے دوبارہ کوفہ کی حکومت کے حصول کے لئے ایک منصوبہ بنایا۔ اس طرح کہ شام آیا اور یزید بن معاویہ کو ملا۔ اسے کہا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ معاویہ تیرے بارے میں کیوں سستی کر رہا ہے۔ لوگوں کے سامنے تجھے اپنا جانشین کیوں نامزد نہیں کرتا؟ یزید نے کہا وہ سوچتا ہے کہ یہ بات قابل عمل نہیں۔ مغیرہ نے جواب دیا نہیں، قابل عمل ہے۔ تمہیں کہاں سے ڈر ہے؟ ذرا سوچو! لوگ کون سی بات پر عمل نہیں کریں گے۔ جو کچھ معاویہ کہتا ہے شام کے لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں شام کی طرف سے کوئی ڈر نہیں۔ البتہ مدینہ کے لوگ۔ اگر فلاں آدمی کو وہاں بھیج دو تو وہ یہ کام کرے گا اس لئے وہاں بھی مشکل نہ ہو گی۔

ساری جگہوں سے سخت اور خطرناک عراق اور کوفہ ہے یہ میں اپنے ذمے لیتا ہوں۔

یزید معاویہ کے پاس گیا اور کہا مغیرہ یہ بات کہتا ہے۔ معاویہ نے مغیرہ کو طلب

کیا۔

جب مغیرہ معاویہ کے پاس آیا تو اپنی چرب زبانی اور گھاگ گفتگو سے اسے مطمئن کرلیا کہ زمین ہموار ہے اور کوفہ کا کام جو سب سے سخت اور مشکل ہے، میں خود انجام دوں گا۔ معاویہ نے دوبارہ مغیرہ کے نام کوفہ کی حکومت کا حکم دے دیا۔ ساتھ ہی یزید کی جانشینی کا پروانہ جاری کردیا جسے کوفہ و مدینہ کے لوگوں نے قبول نہ کیا۔

معاویہ خود مدینہ جانے پر مجبور ہوا۔ اس نے مدینہ کے رؤسا یعنی ایسے لوگ جن کا لوگوں کے دلوں میں احترام تھا مثلاً امام حسینؑ، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ ابن عمر وغیرہ کو بلایا۔ اپنی چرب زبانی سے کوشش کی اسلام کی بہتری اس میں ہے کہ اس وقت یزید کی ظاہری حکومت کو مان لیں تاکہ لوگوں کے درمیان اختلاف نہ ہو حکومت کا اصل کاروبار تو تمہارے ہاتھوں میں ہی ہوگا اس طرح انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا جیسا معاویہ چاہتا تھا۔ معاویہ نے چالاکی سے لوگوں کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اکٹھا کیا تاکہ لوگوں کو بتائے کہ ان کے رؤسا نے یزید کی جانشینی کا اقرار کرلیا ہے لیکن اس کی یہ چالاکی بھی کامیاب نہ ہوئی۔

معاویہ مرتے وقت اپنے بیٹے کے افعال کی وجہ سے بڑا پریشان و مضطرب تھا اور اسے نصیحت کی اور کہا بیعت لینے کے لئے عبداللہ ابن زبیر سے اس طرح سلوک کرنا، عبداللہ ابن عمر کے ساتھ اس طرح نپٹنا خاص طور پر ہدایت کی کہ امام حسینؑ سے نرمی وانس سے سلوک کرنا کیونکہ حسینؑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔ مسلمانوں میں بڑا بلند مقام رکھتے ہیں اس لئے حسینؑ بن علیؑ سے دشمنی سے ڈر۔

معاویہ نے مکمل طور پر پیش گوئی کی کہ اگر یزید نے امام حسینؑ سے دشمنی اختیار کی اور ان کے خون سے ہاتھ رنگین کئے تو وہ حکومت نہیں کرسکے گا اور حکومت ابوسفیان کے خاندان سے نکل جائے گی۔ معاویہ بڑا زیرک آدمی تھا اس کی پیشین گوئی ایک سیاست دان کی طرح تھی یعنی اچھی طرح سمجھتا اور جانتا تھا لیکن اس کے برعکس پہلی بات تو یہ ہے

کہ یزید جوان تھا۔ دوسرے ایسا مرد تھا کہ جس نے شروع ہی سے شہزادوں کی طرح زندگی گزاری۔ لہو ولعب کا دلدادہ تھا۔ سیاست سے بالکل ناواقف تھا، جوانی کا غرور، سیاست و دولت اور شہوت پر گھمنڈ تھا اسی وجہ سے ایسا کام کیا جس سے ابوسفیان کا خاندان ختم ہو گیا اور یہ خاندان سب سے زیادہ اس واقعہ سے پریشان ہوا چونکہ ان کا ہدف دینی نہیں تھا اور ان کا مقصد حکومت و دولت کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے تباہ ہو گئے۔

حسینؑ بن علی علیہ السلام شہید ہو گئے لیکن اپنے دینی و معنوی مقصد کو پا گئے جبکہ ابوسفیان کا خاندان کسی بھی شکل میں اپنے مقصد تک نہ پہنچا۔

اسلام میں جب دور یزیدی کا تھا دورا
تھا تخت خلافت پہ مکین وہ ستم آرا
کافر تھا منافق تھا منافق کا پسر تھا
مکار تھا بدکار تھا ابلیس اثر تھا

یزید کا خاندان شروع ہی سے اسلام اور بانی اسلام کا دشمن تھا کیونکہ

داستان پسر ہند مگر نہ شنید
کہ از او دو سہ تن پیمبر چہ رسید
پدر او دو دندان پیغمبر بہ شکست
مادر او جگر عم پیغمبر بہ چکید
او بہ ناحق حق داماد پیغمبر بہ گرفت
پسر او سر پسر پیغمبر بہ کشید

سیاست حسینی علیہ السلام

۱۵ رجب ۶۰ ہجری کو جب معاویہ مرا تو یزید نے مدینہ کے حاکم کو جو بنی امیہ سے تھا خط لکھا اسے معاویہ کی موت سے آگاہ کیا اور کہا لوگوں سے میری بیعت لے۔ وہ جانتا تھا کہ مدینہ مرکز ہے اور سب کی نظر اس پر لگی ہوئی ہے اپنے خط میں بڑی سختی سے حکم

دیا اور کہا کہ حسینؑ بن علی علیہ السلام کو بلا اور ان سے بیعت لے اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر میرے پاس بھیج دے۔

حاکم مدینہ نے امام حسینؑ کو بلایا آپؑ اس وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھے۔ عبداللہ ابن زبیر بھی ان کے پاس تھے دونوں کو اس نے بلایا تھا انہوں نے ایلچی کو کہا کہ تو چل۔ عبداللہ ابن زبیر نے امامؑ سے عرض کیا اس وقت حاکم ہمیں کیوں بلا رہا ہے۔

امامؑ نے فرمایا اظن ان طاغیتھم قد ھلك میرا خیال ہے فرعون مر گیا ہے اور ہمیں بیعت کے لئے بلایا ہے عبداللہ نے کہا آپ نے خوب سوچا میرا بھی یہی خیال ہے اب کیا کرنا چاہئے۔

امامؑ نے فرمایا میں جاتا ہوں کہ اس کی بات سنوں۔ تیرا کیا ارادہ ہے۔ عبداللہ نے کہا میں بعد میں فیصلہ کروں گا۔

عبداللہ بن زبیر رات کو مکہ بھاگ گیا اور وہاں پناہ لی۔

امامؑ حاکم کے پاس جانے کے لئے تیار ہوئے۔ بنی ہاشم کے جوانوں کا ایک گروہ ہمراہ لے گئے اور کہا تم باہر ٹھہرو، اگر میری آواز بلند ہوئی تو داخل ہو جانا لیکن جب تک میری آواز بلند نہ ہو اسی جگہ ٹھہرے رہو داخل نہ ہونا۔

حاکم نے امامؑ کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا۔ امام نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ حاکم نے چرب زبانی شروع کی اور کہا لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے معاویہ کی یہ خواہش تھی کہ اسلام کی مصلحت اس طرح ہے۔ میری بھی خواہش ہے کہ آپؑ بھی بیعت کر لیں اس کے بعد آپ جو حکم کریں گے، ہوگا جو نقائص اس میں ہیں ختم ہو جائیں گے۔

امامؑ نے فرمایا تم مجھ سے کس چیز کی بیعت چاہتے ہو؟ لوگوں کے لئے چاہتے ہو یعنی خدا کے لئے نہیں چاہتے۔ اس لئے کہ میری بیعت سے یہ خلافت شرعی ہو جائے اور مجھ سے بیعت چاہتے ہو تا کہ دوسرے لوگ بھی بیعت کریں؟

حاکم نے کہا ہاں۔ فرمایا پس یہ بیعت جو بند کمرے میں ہے اور تین سے زیادہ

آدمی نہیں ہیں تمہیں کیا فائدہ دے گی؟ حاکم نے کہا ٹھیک ہے بعد میں سہی۔

امامؑ اٹھ کر جانے لگے تو مروان بن حکم نے گورنر کی طرف رخ کیا اور کہا کیا دیکھتا ہے؟ اگر حسینؑ اب چلے گئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کبھی بیعت نہیں کریں گے اب ہی حاکم کے حکم پر عمل کر۔

امامؑ نے مروان کا گریبان پکڑا اسے اوپر اٹھایا، زمین پر دے مارا اور کہا تو ان باتوں سے چھوٹا ہے۔ امامؑ باہر چلے گئے اور اس کے بعد تین راتیں مدینہ میں رہے۔ رات کے وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر جاتے، دعا کرتے اور کہتے تھے خدایا! مجھے اس راستہ پر ڈال جس میں تیری رضا ہو۔ تیسری رات امامؑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر گئے دعا کی اور بے حد روئے خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کو دیکھا یہ ایسا خواب تھا جو آپ پر الہام و وحی کا حکم رکھتا تھا۔

حضرت دوسرے دن مدینہ سے چل پڑے۔ اصل شاہراہ پر چلے راستہ تبدیل نہ کیا۔ آپؑ کے بعض ہمراہیوں نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ **لو تنکبت الطریق الاعظم** بہتر ہے کہ آپ شاہراہ سے نہ جائیں ممکن ہے حکومت کے کارندے آپ کو لوٹا دیں، مزاحمت کریں اور لڑائی ہو جائے۔ فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ ایک باغی یا فرار کرنے والے کی شکل اختیار کروں۔ اسی شاہراہ سے جاؤں گا اور جو اللہ چاہے گا ہوگا۔ [۱]

تاریخ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام مدینہ میں کیوں نہ رہے اور ظاہری بیعت کیوں نہ کر لی تا کہ آئندہ کے حوادث و خطرات سے امان میں رہتے؟

امامؑ یزید کی بیعت میں دو خرابیاں دیکھ رہے تھے جو معاویہ کے عہد میں نہ تھیں۔

پہلی یہ کہ امامؑ کا یزید کی بیعت کر لینا امام حسینؑ کی طرف سے خلافت کو موروثی بنا دینا تھا یعنی خلافت کا مسئلہ ایک آدمی کا نہیں بلکہ موروثی ہو جاتا۔ دوسری یہ کہ اس زمانے کے حالات کو ہر دوسرے زمانے سے ملا دیتے۔ یزید نہ صرف فاسق و فاجر تھا بلکہ فسق میں حد سے بڑھا ہوا تھا ریاست کے لئے بھی موزوں نہیں تھا۔ معاویہ اور بنی عباس کے بہت

---

[۱] حماسہ حسینی۔ ج ۲

سے اور خلفا بھی فاسق و فاجر تھے لیکن ایک بات کو مکمل طور پر جانتے تھے کہ اگر وہ اپنی قدر اور ملک کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ اسلامی حدود کا لحاظ کریں۔ اسلامی حدود کی حد تک حفاظت کریں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام نہ ہوگا تو وہ بھی نہ ہوں گے۔ وہ جانتے تھے کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں لاکھوں کی آبادی ان کے زیر انتظام تھی جو کہ شام یا بغداد کی حکومت کے ماتحت تھی۔ صرف اسی لئے ماتحت تھی کہ وہ مسلمان تھے۔ قرآن پر اعتقاد رکھتے تھے۔ وہ لوگ بہر حال خلیفہ کو ایک اسلامی خلیفہ سمجھتے تھے۔ اگر انہیں یہ پتہ چل جاتا کہ خلیفہ اسلام کا مخالف ہے تو بغاوت کر دیتے۔ یہ خلفا عقلمند، سمجھدار اور سیاستدان تھے یہ جانتے تھے کہ اسلامی حدود کی زیادہ سے زیادہ رعایت کرنے ہی میں بہتری ہے لیکن یزید بن معاویہ میں یہ شعور نہ تھا وہ رذیل آدمی تھا لوگوں اور اسلام سے بے اعتنائی کر کے خوش ہوتا تھا اور اسلامی حدود کو توڑنے میں فخر کرتا۔ شاید معاویہ بھی شراب پیتا تھا لیکن تاریخ یہ بالکل نہیں بتاتی کہ معاویہ نے کسی محفل میں اعلانیہ شراب پی یا مستی کی حالت میں محفل میں آیا جبکہ یزید اعلانیہ محفل میں شراب پیتا تھا بدمست ہو جاتا اور اس کے بعد یادہ گوئی شروع کر دیتا۔

تمام معتبر تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ یہ بندر، باز اور بوزنے رکھتا تھا ایک بندر کو ابوقبیس کا نام دے رکھا تھا اس بندر سے بڑی محبت کرتا تھا۔ چونکہ اس کی ماں ایک صحرائی عورت تھی اس لئے کتوں، بندروں اور بوزنوں سے خاص انس رکھتا تھا۔ بندروں کو حریر و دیبا کے لباس پہناتا تھا اور اپنے پاس ارکان حکومت اور فوجیوں سے نزدیک بٹھاتا۔

اسی لئے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا **وعلی الاسلام السلام اذقد بلیت الامه بروع مثل یزید** اصل میں یزید کا وجود ہی اسلام کے لئے باعث بدنامی تھا۔ کیا حسین علیہ السلام اس قسم کے شخص کی بیعت کرتے؟ نہیں، امامؑ نے بیعت سے اسی لئے انکار کر دیا فرمایا میں کسی طرح بھی بیعت نہیں کرتا۔ یزید نے بھی بیعت اس لئے چاہی تھی کیونکہ وہ آپؑ کی بیعت نہ ہونے کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ سمجھتا تھا۔ اس نے اچھی

طرح سمجھ لیا تھا کہ اگر بیعت نہیں کرتے تو اس کے لئے مستقل خطرہ ہوگا۔

اسی وجہ سے وہ کہتے تھے کہ بیعت کرنی چاہئے اور امامؑ فرماتے ہیں کہ میں یہ ذلت برداشت نہیں کرسکتا کہتے تھے اگر بیعت نہیں کرتے تو قتل ہو جاؤ گے جواب یہ تھا کہ میں قتل ہونے کو تیار ہوں لیکن بیعت نہیں کرتا۔ یہاں حسینؑ کا ایک ہی جواب نہ ہے۔ [1]

عزم شہادت

حسین علیہ السلام یزید کی حکومت کے پہلے سال آخر رجب میں بیعت سے انکار کر کے مدینہ سے چل پڑے چونکہ مکہ کو اللہ کے امن کا حرم سمجھتے تھے اور وہاں زیادہ امن کی امید تھی کیونکہ مسلمان اس جگہ کے احترام کے بے حد قائل ہیں اور حکومت بھی مکہ کی حرمت کا خیال رکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اس لئے مکہ گئے لیکن تنہا نہیں گئے کیونکہ اس جگہ کو امن کی جگہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اسے اچھا اجتماعی مرکز بھی سمجھتے تھے اس لئے ماہ رجب وشعبان جو کہ عمرہ کے ایام ہیں، جب لوگ ہر طرف سے مکہ آ رہے تھے اور لوگوں کو ہدایت و آگاہی دینے کا اچھا موقع تھا اس کے بعد جلد ہی حج کا موسم آنے والا تھا اس لئے تبلیغ کا اچھا موقع تھا۔

مکہ میں دو ماہ توقف کرنے کے بعد کوفہ کے لوگوں کے خطوط آنے لگے دوسری طرف مکہ میں حالت یہ ہوگئی کہ امامؑ کو معلوم ہوا کہ اگر ایام حج میں مکہ میں رہے تو اسی احرام کی حالت میں جس میں کوئی آدمی مسلح نہیں ہوسکتا، بنی امیہ کے مسلح نمائندے آپؑ کا خون بہا دیں گے۔ اس طرح خانہ کعبہ کی ہتک ہو گی، حج اور اسلام کی ہتک ہوگی۔ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ خدا کے اندر قتل ہو جائیں گے، ان کا خون بھی رائیگاں جائے گا اور بعد میں مشہور کر دیا جائے گا کہ حسینؑ کی فلاں آدمی کے ساتھ دشمنی تھی اس نے آپؑ کو قتل کر دیا اور روپوش ہو گیا اس طرح امامؑ کا خون رائیگاں جائے گا۔

اس لئے آپؑ نے کوفہ کے لوگوں کے خطوط کے جواب میں، جن میں آپؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی اور آپؑ کی مدد و حمایت کا دعویٰ تھا آپؑ نے کوفہ کی جانب حرکت

---

[1] حماسہ حسینی۔ ۲۲ تا ۲۴۔

کی۔کوفہ اسلامی فوج کا مرکز اور بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھا یہ شہر جو عمر ابن خطاب کے زمانے میں بنایا گیا۔ اسلامی ممالک میں ایک بڑا موثر مقام رکھتا تھا اور اگر کوفہ کے لوگ اپنے عہد پر قائم رہتے تو توقع تھی کہ امام حسینؑ کامیاب ہو جاتے۔

آپؑ چلنے لگے تو کچھ رشتہ دار اور نزدیکی آپؑ کے گرد جمع ہوئے اور نصیحت ورائے دینے لگے کہ شاید حسینؑ اس سفر سے رک جائیں۔ان میں سے ابن عباس نے جس وقت امامؑ کو اپنے ارادے پر مضبوط پایا تو آپؑ سے درخواست کی کہ جب آپؑ نے مکہ سے کوچ کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو یمن اور اس کے پہاڑوں میں چلے جائیں۔اس جگہ کو پناہ گاہ بنالیں۔لیکن امام حسینؑ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اور یہ باتیں آپؑ کے پختہ ارادے میں خلل نہیں ڈال سکتی تھیں اس لئے اپنی راہ پر ثابت قدم تھے۔

راستہ میں ایک آدمی نے امامؑ سے پوچھا آپؑ کیوں چل پڑے؟ اس کی باتوں کا مطلب یہ تھا کہ آپؑ مدینہ میں امن میں تھے وہاں آپؑ کے جد کا روضہ تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر تھی کوئی اعتراض نہیں کرسکتا تھا یا مکہ میں رہتے جہاں بیت اللہ الحرام ہے اب جبکہ چل پڑے ہیں تو آپؑ نے اپنے لئے خطرہ پیدا کر لیا ہے۔امامؑ نے جواب میں فرمایا تو شک میں ہے اگر میں ایک حیوان کے بل میں بھی گھس جاؤں تو بھی مجھے نہیں چھوڑیں گے جب تک میرے دل کا خون نہ بہالیں۔ میرا ان سے حصول امن کا اختلاف نہیں وہ مجھ سے ایسا مطالبہ کرتے ہیں جو میں کسی طرح بھی کرنے پر تیار نہیں۔ میں بھی ایک چیز چاہتا ہوں جو وہ کسی طرح قبول نہیں کرتے۔ [۱]

امامؑ کا قافلہ کوفہ کی سرحد پر پہنچا تو حر کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا، امام حسینؑ نے لشکر سے خطاب فرمایا تم نے مجھے دعوت دی جو میں نے قبول کی لیکن اگر تم اس سے پھر گئے ہو اور نہیں چاہتے تو میں لوٹ جاتا ہوں۔البتہ اس کے یہ معنی نہیں کہ میں لوٹ جاؤں اور یزید کی بیعت کروں اور اب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق اور مسلمان کے

---

[۱] سلک پشین۔ص، ۳۴

فرائض و دفع فساد کے لئے جو کچھ کہا ہے اس کو چھوڑ دوں، خاموشی سے گھر بیٹھ جاؤں، نہیں میں اس حکومت کو صالح نہیں سمجھتا۔

تم کوفہ کے لوگوں نے مجھے دعوت دی تم نے کہا اے حسین! تیرے مقصد میں تیری مدد کریں گے اگر بیعت نہیں کرتا تو نہ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طور پر اعتراض ہے۔ اس لئے اٹھ کھڑا ہو ہم تیری مدد کریں گے۔ اب میں ان لوگوں کی تلاش میں ہوں جنہوں نے میری امداد کا دعویٰ کیا۔ تم کہتے ہو کہ کوفہ کے لوگ اپنے وعدے پر عمل نہیں کرتے۔ بہت اچھا! ہم بھی کوفہ نہیں جاتے لوٹ جاتے ہیں اس جگہ کی طرف جو ہمارا اصل مرکز ہے مدینہ، حجاز یا مکہ جاتے ہیں اور جو کچھ خدا کو منظور ہو گا، ہو گا۔ بہر حال ہم بیعت نہیں کرتے خواہ اس وجہ سے قتل ہو جائیں۔

شہادت کا انتظار

امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کے ارادے سے چلتے ہیں راستے میں کوفہ آتے ہوئے دو آدمی ملے۔ امامؑ رکے تاکہ ان سے گفتگو کریں لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ امام حسینؑ ہیں تو انہوں نے راہ تبدیل کر لی۔ آپؑ کا ایک صحابی جو پیچھے آ رہا تھا وہ ان دونوں آدمیوں سے ملا انہوں نے مسلم وہانی کی شہادت اور کوفہ کے پریشان کن حالات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس صحابی سے کہا کہ ہم نے امام حسینؑ سے اس خجالت کی وجہ سے راہ تبدیل کی۔ آپؑ کا صحابی امام کے پاس آیا اور کہا میرے پاس ایک خبر ہے اگر کہیں تو لوگوں کے سامنے ہی بتاؤں ورنہ تنہائی میں بتاؤں۔ امامؑ نے فرمایا میں اپنے اصحاب سے کوئی چیز نہیں چھپاتا۔

اس نے کہا وہ دو آدمی جن سے آپؑ کل ملنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے راہ تبدیل کر لی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ واقعہ یہ ہے کہ کوفہ فتح ہو گیا ہے، مسلم وہانی مارے گئے ہیں۔ جب امامؑ نے یہ جملہ سنا پہلے تو آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور یہ آیت تلاوت کی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ‌ ‌ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ۙ‏ ﴿۲۳﴾

مومنین میں سے بعض نے خدا سے عہد کیا کہ وفا کریں گے۔
ان میں سے جنہوں نے وفا کی وہ اپنے عہد و پیمان پر قائم ہیں۔ان میں سے بعض گزر گئے، چلے گئے اور شہید ہو گئے اور کچھ اپنی باری کے انتظار میں ہیں۔ [۱]

واقعی قرآن میں اس قسم کے موقعہ کی مناسبت کے لئے آیت ملتی ہے امامؑ یہ آیت پڑھنے سے یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ ہم صرف کوفہ کے لئے نہیں آئے کوفہ گرا کہ گرا۔ ہمارا حرکت کرنا صرف کوفہ کے لوگوں کو دعوت دینا نہ تھا یہ ایک عمل تھا کہ جو ہمارے اس فرض کو پیدا کرتا ہے کہ تیزی سے مکہ سے کوفہ آئیں کیونکہ ہمارا ایک بہت بڑا اور بھاری فرض ہے۔مسلم نے اپنے وعدہ سے وفا کی اس کا کام مکمل ہوا۔ہمیں بھی مسلم کے عمل کو جاری رکھنا ہے۔

استاد شہید لکھتے ہیں،ایک شک جو زندہ جاوید شہید پر یہاں کیا جاتا ہے میری نظر میں یہ ہے کہ کوفہ کے لوگوں کی دعوت کے لئے فوج کی کافی نفری کے قائل ہوئے ہیں۔ گویا خیال کیا کہ اصل و بنیادی عامل یہ ہے۔اسی قسم کے مطالب اور دوسری مہم کو مندرجہ بالا حکایت میں پیش کیا ہے جو کافی استحکام اور لطافت رکھتی ہے۔ [۲]

موت کی طرف روانگی

حسینیؑ کاروان حرکت میں ہے حرکت کے دوران ابا عبداللہ علیہ السلام کو نیند آ گئی سر کو گھوڑے کے (زین) پر رکھا زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سر بلند کیا اور فرمایا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ جب یہ جملہ کہا تو اصطلاحی طور پر کلمہ استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ

[۱] سورہ احزاب: ۲۳

[۲] صفحات ۲۶۵ تا ۲۶۷ جلد دوم حماسہ حسینی کی طرف رجوع کریں

رٰجِعُوْنَ) زبان پر لائے سب نے ایک دوسرے سے کہا یہ جملہ کس لئے تھا؟ کیا کوئی تازہ خبر ہے؟

اسی دوران امام حسینؑ کے عزیز فرزند علی اکبرؑ سامنے آئے جن کو ابا عبداللہ بڑا دوست رکھتے تھے اور اظہار کرتے تھے ان تمام مشتحصات کا جو بیٹے کو باپ کے لئے محبوب کرتے ہیں۔ ایک اور بھی خصوصیت تھی کہ باپ کے نزدیک زیادہ پیارے تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پوری شکل وصورت ملتی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کیا یا ابتالم استرجعت بابا جان! آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کیوں کہا؟۔

امامؑ نے فرمایا میں نے خواب میں ہاتف غیبی کی آواز سنی کہ کہا القوم لیسیرون والموت تسیر بھم یعنی یہ قافلہ حرکت کرتا ہے لیکن موت ہے کہ جو اس قافلہ کو حرکت دیتی ہے۔ اب ہم اپنی سرنوشت موت کی طرف جارہے ہیں۔

علی اکبرؑ نے عرض کیا ابا جان !اولسنا علی الحق کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

فرمایا پیارے بیٹے کیوں نہیں۔ تو عرض کیا پس جب یہ بات ہے تو ہم اس سرنوشت کی طرف، جو ہماری ہے، جارہے ہیں۔ خواہ سرنوشت موت ہو یا زندگی۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بنیاد یہ ہے کہ ہم راہ حق پر قدم رکھ رہے ہیں یا نہیں؟ ابا عبداللہ اس بات پر قدرے وجد میں آگئے، مسرور ہوئے اور فرمایا میں تجھ جیسے بیٹے کو صحیح طور پر بدلہ نہیں دے سکتا۔ اس لئے خدا سے چاہتا ہوں خدایا! اس بیٹے کے لئے جو بدلہ شائستہ ہے اسے عطا فرمانا۔ جزاك اللہ عنی خیر الجزا۔ [۱]

مقبول توبہ

حربن یزید ریاحی ایک شجاع اور طاقتور آدمی تھا۔ پہلی بار جب عبیداللہ بن زیاد، حاکم، کوفہ چاہتا تھا کہ ایک ہزار سوار حسینؑ بن علیؑ کے مقابلے میں بھیجے، اس کو ایک گروہ کا سالار منتخب کیا۔ جب حر امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہوا، تو عجیب حالت تھی۔

---

[۱] حماسہ حسینی۔ ج، ۲ ص ۶۰ تا ۶۲

کان اس خبر کے منتظر تھے کہ سنیں حر اس شجاعت، طاقت اور دلیری کے ہوتے ہوئے امام حسینؑ کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے اس خیال وانتظار کے دوران حر بن یزید ریاحی کو عمر سعد کے لشکر میں دیکھا کہ بید کی طرح کانپ رہا ہے۔ میں نے تعجب کیا، اس کے پاس گیا، میں نے کہا حر! میں تجھے بڑا شجاع آدمی سمجھتا تھا، اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ میں شجاع ترین آدمی کون ہے؟ تو میں تیرے بغیر کسی کو نہیں جانتا۔ اب تو اتنا ڈرا ہوا ہے کہ تیرا جسم اس طرح کانپ رہا ہے؟

حر نے کہا، تو نے غلط سوچا ہے۔ میں جنگ سے نہیں ڈرتا۔ پھر کس سے ڈرتا ہے؟ میں اپنے آپ کو بہشت ودوزخ کے دوراہے پر دیکھتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ کیا کروں؟ اس راہ کو اختیار کروں یا اس راہ کو؟

آخر اس نے پختہ ارادہ کیا۔ آرام آرام سے اپنے گھوڑے کو ایک طرف اس طرح کر دیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ جونہی اس مقام پر پہنچا جہاں سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔ اچانک چھلانگ لگا کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور امام حسینؑ کے خیمہ کے نزدیک پہنچا۔ ڈھال کو لٹکا دیا، جو یہ اشارہ تھا کہ جنگ کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ امان چاہتا ہوں۔

جب امام حسینؑ کے نزدیک پہنچا تو سلام کیا اور عرض کیا **ھل لی توبۃ** کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟

فرمایا ہاں ضرور قبول ہے۔ اس کے بعد حر نے عرض کیا، آقا حسینؑ مجھے اجازت دیں کہ میدان میں جاؤں اور اپنی جان راہ حق میں قربان کروں۔ امامؑ نے فرمایا تو ہمارا مہمان ہے۔ گھوڑے سے اتر اور کچھ دیر ہمارے ساتھ ٹھہر۔ آقا اگر اجازت دیں تو بہتر ہوگا تا کہ میں میدان میں جاؤں۔

حر اپنے آپ میں شرمندہ تھا اور گنگنا رہا تھا اے خدا! میں وہی گنہگار ہوں کہ جس

نے تیرے اولیا اور تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو تڑپایا، حر بہت پریشان نظر آ رہا تھا اور میدان میں جانے کی جلدی میں تھا۔ کیونکہ اپنے آپ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب میں یہاں بیٹھا ہوں تو امام حسینؑ کا کوئی بچہ آ جائے وہ مجھے دیکھ لے اور میں اس سے زیادہ شرمندہ ہو جاؤں۔

ہاں! حر نے توبہ کی۔ پختہ توبہ جس راستے پر گیا تھا اس سے لوٹا۔ ظلم و فساد کی طرفداری سے ہاتھ کھینچ لیا اور حق و انصاف کے ساتھ ہو گیا۔ یزید کے لشکر سے نکلا اور حسینؑ کی فوج میں شامل ہوا۔ حسینؑ نے بھی بغیر کسی تامل کے اس کو معاف کر دیا کیونکہ حسینؑ کے کرم کا یہی تقاضا تھا۔ جب حر آیا تو امامؑ نے بالکل یہ نہ کہا کہ اب کون سا توبہ کا موقع ہے۔ ہمیں اس مصیبت میں ڈال کر توبہ کرنے آیا ہے۔ حسینؑ ایسا نہیں سوچتے۔ حسینؑ تو لوگوں کی ہدایت چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آپؑ کے جوان بھی شہید ہو گئے، اس وقت بھی عمر سعد توبہ کرتا تو قبول کرتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے حادثہ کربلا کے بعد امام علی بن الحسین علیہ السلام سے کہا تھا اگر میں توبہ کروں تو قبول ہو گی؟ فرمایا ہاں اگر واقعی توبہ کرے تو قبول ہو گی۔ لیکن اس نے بالکل توبہ نہ کی

خدا شاہد مقدر صاف جب ہونے پہ آتا ہے
معاً اسباب بنتے ہیں ستارہ جگمگاتا ہے
مقدر تو ذرا دیکھ جرءِ حر کا کہ کشتی بحر ظلمت میں
مگر خود باغ جنت کی فضا میں مسکراتا ہے

عاشورا میں معراج

۶۱ ہجری نویں محرم کی عصر تھی، عمر و سعد کے حکم سے کفر و نفاق کے لشکر نے عبید اللہ ابن زید کے حکم پر حملہ کیا، تاکہ امام حسینؑ سے جنگ کا فیصلہ کریں۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی ابو الفضل العباسؑ سے فرمایا۔ انہیں ایک رات کی مہلت دینے کا کہو۔ میں کل جنگ کے لئے تیار ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ میں اللہ کی مناجات کو بے حد پسند کرتا ہوں، میں چاہتا

ہوں کہ آج کی رات اپنی زندگی کی آخری رات کے طور پر عبادت ومناجات کروں اور توبہ واستغفار میں بسر کروں۔

شب عاشور شروع ہوئی جو کہ معراج کی رات تھی۔ ہر طرف خوشی، تازگی اور مسرت تھی۔ امام حسینؑ کے ساتھی اپنے آپ کو صاف ستھرا کر رہے تھے۔ بال تراش رہے تھے اور اپنے آپ کو اس جشن مہمانی کے لئے تیار کر رہے تھے۔ ایک خیمہ صفائی کے لئے مخصوص تھا۔ کوئی بھی اس میں داخل ہو کر اپنے آپ کو پاکیزہ کر سکتا تھا۔ دو آدمی خیمہ کے باہر اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک بریر نامی دوسرے کو مذاق کرتا ہے۔ تو وہ بریر کو کہتا ہے کہ آج کی رات کون سی مذاق ومزاج کی رات ہے۔ بریر کہتے ہیں میں تمسخر پسند نہیں کرتا۔ لیکن آج کی رات تمسخر کے لئے موزوں پاتا ہوں۔

اس رات خیام حسینیؑ سے قرآن و ذکر و دعا کی آوازیں سنی جارہی تھیں۔ خوش الحان آوازوں نے سارے صحرا میں وجد کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ جب دشمن ان توبہ اور استغفار کرنے والوں کے خیام کے پاس سے گزرتا تو کہتا کہ یہ خیام شہد کی مکھیوں کے چھتے ہیں۔ امام حسینؑ کے دوستوں نے شب عاشور اپنے رب کے ساتھ راز و نیاز، توبہ، استغفار اور عبادت میں گزاری۔

کیا ہمیں توبہ کی ضرورت نہیں۔ جانثاران حسینیؑ ضرورت مند تھے اور ہم بے نیاز؟ حتیٰ کہ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ میں آج کی رات کو توبہ واستغفار کی رات قرار دینا چاہتا ہوں۔ ہماری کیا حیثیت ہے؟ (گفتارھای معنوی۔ص۱۲۶، ۱۲۵۔)۔

شوق شہادت

امام حسینؑ نے اس رات، تلواریں اور نیزے تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب راز و نیاز اور دعا سے فراغت پاتے تو جون کے خیمے میں آتے، جو اسلحہ کی درستی پر مقرر تھے۔ کبھی ہدایات دیتے کہ جو خیام دور ہیں انہیں نزدیک کر لیں۔ حتیٰ کہ خیام کو ایک دوسرے کے اتنا قریب لائے کہ خیام کی رسیاں ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیں۔ تا کہ کوئی آدمی دو

خیام کے درمیان سے گزر نہ سکے۔ یہ بھی ہدایت کی کہ خیام کو ہلال کی شکل میں نصب کریں اور رات کے دوران ہی خیام کی پچھلی طرف خندق کھود دیں۔ تا کہ دشمن پچھلی طرف سے حملہ نہ کر سکے۔ یہ بھی ہدایت کی کہ اردگرد جو خس وخاشاک پڑا ہے اٹھا کر خندق میں ڈال دیں، تا کہ صبح اسے آگ لگا دیں۔ جب تک زندہ ہیں دشمن پچھلی طرف سے حملہ نہ کر دے۔ یعنی دشمن کا سامنے اور دائیں بائیں سے دفاع کرنا پڑے اور پشت کی طرف سے مطمئن ہوں۔ امام حسینؑ نے اس رات ایک اور کام یہ کیا کہ تمام اصحاب کو ایک خیمہ میں جمع کیا، ان کا بے حد شکریہ ادا کیا اور فرمایا میں اپنے اہل بیتؑ اور اپنے اصحاب سے بہتر کسی کے اصحاب کا علم نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا تم سب جانتے ہو کہ لشکر کفر ونفاق میرے سوا کسی کو نہیں چاہتا اگر میں ان کے ہاتھ آ جاؤں تو یہ تم میں سے کسی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ تم رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور سارے کے سارے چلے جاؤ۔ تم میں سے جو کوئی میرے کسی بچے یا خاندان کے کسی فرد کو ساتھ لے جا سکتا ہو لے جائے۔ جب یہ جملہ ختم کیا تو اصحاب وانصار نے آوازیں بلند کیں۔

سب سے پہلے جو شخص بولا وہ آپ کے بھائی ابو الفضل العباس تھے پھر دوسرے لگا تار بولنے لگے۔ ایک نے کہا آقا! اگر مجھے قتل کر دیں اور اس کے بعد میرے جسم کو آگ لگا دیں، راکھ کو ہوا میں اڑا دیں اور مجھے دوسری بار زندہ کریں۔ حتیٰ کہ ستر بار ایسا ہی ہو تو بھی میں آپؑ کو نہیں چھوڑ سکتا، یہ جان ہے ہی آپؑ کے لئے۔

دوسرا کہتا تھا اگر مجھے ہزار بار قتل کیا جائے اور ہزار بار زندہ کیا جائے تو بھی آپ کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ ایک صحابی کو محرم کے ایام میں ہی خبر ملی کہ تیرے بیٹے کو فلاں جنگ میں قید کر لیا گیا، نامعلوم اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اس نے کہا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں زندہ رہوں اور میرا بیٹا اس طرح سبقت لے جائے۔ یہ خبر ابا عبداللہ کو پہنچی تو آنحضرت نے اسے بلایا اور اس کا شکریہ ادا کر کے کہا تو بڑا بہادر آدمی ہے۔ تیرا بیٹا قید ہو گیا ہے، ایک آدمی کو وہاں جانا چاہیئے۔ رقم یا ہدیہ لے جا انہیں دے اور بیٹے کو آزاد کرا لے۔

امامؑ نے رقم دے کر فرمایا یہ لے، وہاں جا اور رقم دے کر بیٹے کو چھڑا، جب آپ نے یہ جملہ فرمایا تو اس نے عرض کی۔

مجھے جنگل کے درندے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے اگر میں یہ کام کروں۔ میرا بیٹا گرفتار ہے جو مجھے آپؑ سے عزیز نہیں۔

اس رات تمام حجتیں دور کرنے کے بعد جب تمام انصار نے یک زبان ہو کر وفاداری کا اعلان کیا اور کہا ہم بالکل آپؑ سے جدا نہ ہوں گے، تو امام نے فرمایا کہ اگر اس طرح ہے تو تم جانتے ہو کہ ہم مارے جائیں گے۔ سب نے کہا الحمدللہ۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی توفیق ملے۔ یہ ہمارے لئے خوشخبری ہے۔ [1]

آخری نماز

عاشور کی ظہر ہے۔ اصحاب حسینؑ میں سے تیس آدمی دشمن کی تیر اندازی سے یکبارگی خاک وخون میں نہا جاتے ہیں۔ بقیہ بھی جانبازی کے لئے گن گن کر وقت گزار رہے ہیں۔ شوق شہادت میں بے قرار ہیں۔ اچانک ایک اصحابی ابا عبداللہ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا یا ابا عبداللہ الحسینؑ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اور ہمارا جی چاہتا ہے کہ زندگی میں آخری بار آپؑ کے ساتھ نماز با جماعت ادا کریں۔ حضرتؑ نے دیکھا اور تصدیق کی کہ واقعی نماز کا وقت ہو گیا اور یہ جملہ فرمایا۔

ذکرت الصلوٰۃ جعلك اللہ من المصلین

تو نے نماز کو یاد کیا خدا تجھے نماز گزاروں میں قرار دے۔

امام حسینؑ فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپؑ کے اصحاب نے آپ کی اقتدا کی۔ ایسی نماز جس کو فقہ اسلامی میں نماز خوف کا نام دیا گیا ہے یعنی دو رکعت نماز، مسافر کی نماز اس لئے کہ انہیں ساری نماز ادا کرنے کی مہلت نہ تھی۔ چونکہ اپنا دفاع بھی کرنا تھا اس لئے آپؑ کے کچھ اصحاب دشمن کے مقابل کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بھی

[1] حماسہ حسینی

امام حسینؑ کی اقتدا میں با جماعت نماز کی فضیلت پائی۔

لیکن ابا عبداللہ حسینؑ نے ایک خاص وضع اختیار کی۔ چونکہ دشمن زیادہ دور نہیں تھا۔ دشمن کے تیر مینہ کی طرح برس رہے تھے اور ساتھ ہی دشمن زبان سے بھی گالیاں نکال رہا تھا ایک نے آواز دی اے حسینؑ نماز پڑھ لیکن تیری نماز تجھے فائدہ نہیں دے گی، کیونکہ تو زمانے کے پیشوا یزید کا باغی ہے، لہٰذا تیری نماز قبول نہیں!۔

وہ تیر جو کمانوں سے نکل رہے تھے وہ امامؑ کا دفاع کرنے والے بعض اصحاب کو لگے اور وہ شہید ہو گئے جب نماز ختم ہوئی تو یہ جانباز خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔ ان میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی تھا۔ امامؑ اس کے سرہانے آئے تو سعید نے عجب جملہ کہا۔ یا ابا عبداللہ اوفیت کیا میں حق وفا بجا لایا۔ [1] یہ امام حسینؑ اور آپ کے پاک باز ساتھیوں کی سرزمین کربلا پر عاشور کی ظہر کی آخری نماز تھی۔

وضو کیا حسینؑ نے بیٹے کے خون سے

تیر و تبر کو شاہ نے مصلےٰ بنا لیا

بغیر سوار کے گھوڑا

جب امام حسینؑ میدان میں تن تنہا رہ گئے تو دشمن، آپ کے نزدیک آنے کی جرات نہیں کر رہا تھا کوئی سپاہی آگے بڑھتا اور پھر پیچھے ہٹ جاتا۔ ابن سعد للکارا، کیا کرتے ہو یہ علیؑ کا بیٹا ہے، اس کے جسم میں علیؑ کی روح ہے ایک ایک کر کے تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ تقریباً تیس ہزار کا لشکر ایک کمزور و ناتواں کو مارنے کے لئے دور ہٹ کر کھڑا تھا۔ کسی کو جرات نہ ہوتی تھی یکبارگی تیر اندازی کرنے لگے، پتھر پھینکنے لگے، جس کے ہاتھ میں جو کچھ آتا آپؑ کو مارتا۔ اس حالت میں بھی جب آپؑ حملہ کرتے تو دشمن لومڑیوں کی طرح اس شیر کے سامنے سے بھاگ نکلتے۔ لیکن آپؑ نے حملہ کو طول نہ دیا۔ آپؑ خیام سے دور نہیں جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ غیرت حسینی یہ اجازت نہیں دیتی تھی کہ جب تک زندہ ہیں

[1] گفتار ھای، معنوی۔ ص ۹۸، ۹۷

کوئی خیام کے نزدیک جائے۔ تھوڑی دیر حملہ کرتے دشمن کو بھگاتے اور واپس لوٹ آتے۔ خیام کے اتنے نزدیک آ جاتے کہ اہل بیتؑ کی آواز سن سکیں تا کہ جناب زینب، جناب سکینہ اور بچوں کو اطمینان رہے کہ ابھی حسینؑ زندہ ہیں۔ جب امام حسینؑ خیام کے نزدیک آتے تو خشک زبان کو خشک ہونٹوں پر پھیرتے اور کہتے۔ **ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** یعنی یہ طاقت حسینؑ کی نہیں، یہ خدا ہے جس نے حسینؑ کو طاقت دی ہے۔ توحید کا درس بھی ہے اور جناب زینبؑ کو خبر بھی کہ ابھی تیرا بھائی زندہ ہے۔

آپؑ نے خاندان کو حکم دے رکھا تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں کوئی باہر نہ آئے۔

امامؑ خیام میں وداع کرنے آئے ایک بار آئے، وداع کیا چلے گئے پھر دوبارہ آئے اور وداع کیا تو فرات کا رخ کیا کہ پانی پئیں۔ اسی دوران کسی نے آواز دی حسینؑ تو پانی پیتا ہے؟ جبکہ خیام پر حملہ ہو گیا۔ بغیر پانی پئے خیام کی طرف گئے۔ خیام میں گئے اور فرمایا اے میرے اہل بیتؑ مطمئن رہیں۔ میرے بعد تمہیں قید کیا جائے گا۔ لیکن کوشش کریں کہ کسی بھی وقت شریعت کے خلاف کوئی عمل نہ کریں۔ زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے تمہارا اجر کم ہو جائے۔ لیکن مطمئن رہیں کہ یہ دشمن کا آخری وار ہوگا۔ یہ اس کا اختتام ہوگا۔ اس کے بعد اسے ذلت ہوگی۔

اہل بیتؑ خوش ہو گئے اور امام خیام سے باہر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد ابا عبداللہ کے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی تو اہل بیتؑ نے خیال کیا کہ شاید ابا عبداللہ آخری بار الوداع کہنے آئے ہیں۔ لیکن جب باہر آ کر دیکھا تو گھوڑے پر ابا عبداللہ نہ تھے۔ اہل حرم گھوڑے کے گرد جمع ہو گئے۔ ہر کوئی گھوڑے سے باتیں کر رہا تھا۔ آپؑ کی عزیز و پیاری بیٹی سکینہ نے گھوڑے سے کہا اے گھوڑے! تم نے میرے پیاسے بابا کو کیا کیا، کیا انہیں پیاسا شہید کیا گیا یا ایک گھونٹ پانی دیا گیا؟

یہاں امام زماں سے منسوب مجلس ہے کہ حسینؑ کو خطاب کرتے ہیں۔ اے جد

بزرگوار! تیرے اہل بیتؑ تیرے حکم کے مطابق گھر سے باہر نہ آئے۔ لیکن جب بغیر سوار کے گھوڑا دیکھا تو بال کھول دیئے اور سارے قتل گاہ کی طرف آئے۔ [1]

آپؑ کے اصحاب سے بہتر کسی کے اصحاب نہ تھے

ایک بزرگ شیعہ عالم کہتے ہیں کہ میں نے جب پڑھا کہ امام حسینؑ نے شب عاشور فرمایا ''میرے اصحاب سے اچھے کسی کے اصحاب نہیں'' مجھے اس بات میں تردد تھا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ابا عبداللہ نے یہ بات کہی ہو۔ کیونکہ میں سوچتا تھا کہ آپؑ کے اصحاب نے کوئی زیادہ کام نہ کیا امام حسینؑ تو ریحانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام زمان اور علی علیہ السلام کے فرزند، سیدہ طاہرہ کے نور نظر ہیں، کوئی بھی مسلمان امامؑ کو اس مصیبت میں دیکھتا تو آپؑ کی مدد کرتا۔ پس آپ کے اصحاب نے کون سا بڑا کام کیا۔ کچھ عرصہ میں اسی سوچ میں رہا۔ اللہ تعالیٰ مجھے غفلت و جہالت و شک سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میدان کربلا ہے، میں بھی ابا عبداللہ کی خدمت کے لئے آمادہ ہوا۔ آپؑ کی خدمت میں گیا، سلام عرض کیا۔ میں نے عرض کیا، یا ابا عبداللہ میں آپ کی مدد کے لئے آیا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا اس وقت میں تجھے ہدایت کرتا ہوں۔ آہستہ آہستہ نماز کا وقت ہو گیا، جس طرح ہم نے کتب مقاتل میں پڑھا کہ سعید بن عبداللہ حنفی اور کچھ دوسرے آدمی آئے۔ امامؑ کی ڈھال بنے تا کہ آپؑ نماز ادا کریں۔

حضرتؑ نے مجھے بھی فرمایا اب ہم نماز پڑھنے لگے ہیں تو بھی سعید کے ساتھ کھڑا ہو جا کہ دشمن تیراندازی کر رہا ہے تو بھی دشمن کے تیر روک۔ میں نے کہا میں حاضر ہوں۔ پس آپؑ کے سامنے کھڑا ہوا اور آنحضرتؑ نماز میں مشغول ہوئے۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک تیر تیزی سے آپؑ کی طرف آ رہا ہے، جب تیر میرے نزدیک آیا تو میں نے بے اختیار اپنے آپ کو جھکا دیا اور تیر ابا عبداللہ کے جسم اطہر پر لگا۔ میں نے خواب میں کہا **استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ** بہت برا ہوا، اب میں ایسے نہیں ہونے دوں گا۔ جب

---

[1] حماسہ حسینی ص ۲۱۲ تا ۲۱۵

دوسری بار تیر آیا تو میں پھر جھک گیا۔ وہ بھی آنحضرتؑ کو لگا۔ تیسرا اور چوتھا تیر بھی آیا میں جھکتا رہا اور ہر بار آنحضرتؑ کو لگتا رہا اچانک میں نے دیکھا کہ آنحضرت علیہ السلام تبسم فرما رہے ہیں اور فرمایا مارایت اصحابا ابرواوفی من اصحابی یعنی میں نے اپنے اصحاب سے بہتر و باوفا کسی کے اصحاب نہیں دیکھے۔

میں فوراً بیدار ہوا اور سمجھ گیا کہ آدمی گھر میں بیٹھ کر **یَا لَیْتَنِی کُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزاً عَظِیماً** کاش کہ ہم آپؑ کے ساتھ ہوتے کہہ سکتا ہے یہ کہنا آسان ہے لیکن اگر عمل کرنا پڑے تو اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی دیندار کون ہے اور عمل کرنے والا کون ہے اور صرف باتیں کرنے والا کون ہے۔ لیکن ابا عبداللہؑ کے اصحاب نے خوب امتحان دیا اور ثابت کیا کہ اپنے عزم و رزم میں محکم و مضبوط تھے۔ [1]

ہم شکل پیغمبرؐ

اہل بیت پیغمبر کے جوانوں میں سے پہلے جو جوان، ابا عبداللہ الحسینؑ سے جنگ کی اجازت لینے میں کامیاب ہوا وہ آپؑ کا جوان ورشید بیٹا علی اکبرؑ تھا جس کے بارے میں خود ابا عبداللہ نے شہادت دی ہے کہ شکل وصورت، کردار وگفتار، چال ڈھال اور اخلاق وخلق میں ہم شکل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، جب گفتگو کرتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرما رہے ہیں۔ خود امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ خدایا! جب بھی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کا مشتاق ہوتا ہوں تو علی اکبر کو دیکھ لیتا ہوں۔

یہ جوان، اپنے باپ حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا ابا جان مجھے جہاد کی اجازت دیجئے۔ حسینؑ صرف سر جھکا دیتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے۔ علی اکبرؑ میدان کی طرف چل پڑتے ہیں۔ ابا عبداللہ اس حالت میں تھے کہ آنکھیں نیم باز تھیں۔ علی اکبرؑ کو ناامید شخص کی طرح دیکھا، چند قدم ان کے پیچھے گئے اور کہا خدایا گواہ رہنا کہ ان کے ساتھ جنگ میں ایک ایسا جوان جا رہا ہے جو سب لوگوں سے زیادہ ہم شکل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے پھر

[1] گفتارھای معنوی ۲۴۰، ۲۳۹

عمر وسعد کی طرف مخاطب ہوئے جبکہ وہ سن رہا تھا۔ فرمایا خدا تیری نسل منقطع کرے کہ تو نے اس بیٹے سے میری نسل منقطع کر دی۔ ابا عبداللہ کی دعا کے بعد دو تین سال نہیں گزرے تھے کہ مختار نے عمر وسعد کو قتل کیا۔ اس کا بیٹا باپ کی شفاعت کے لئے مختار کے پاس آیا۔ عمر وسعد کی لاش پر کپڑا پڑا تھا مختار نے پوچھا کیا تو باپ کو پہچانتا ہے۔ کپڑا اٹھا تاکہ تو باپ کا کٹا ہوا سر دیکھے، مختار نے حکم دیا اسے بھی باپ کے ساتھ ملا دو۔

اس صورت میں علی اکبرؑ میدان میں گئے بڑی دلیری ووارفتگی سے بے مثال جنگ کی۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد باپ کی خدمت میں آئے اور کہا بابا جان العطش پیاس مجھے مار رہی ہے اسلحہ کی سختی نے مجھے تھکا دیا ہے اگر میرے حلق میں پانی کا ایک قطرہ پہنچ جائے تو میں پھر حملہ کر سکتا ہوں۔

اس نے ابا عبداللہ کی جان کو آگ لگا دی۔ فرماتے ہیں پیارے بیٹے میری زبان تیری زبان سے زیادہ خشک ہے۔ لیکن میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جلد اپنے جد سے پانی پئے گا۔ جوان پھر میدان میں گیا، جنگ کی کیسی جنگ ہوئی؟ جب دشمن پر حملہ کرتا تو سارے بھاگ جاتے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا میں قسم کھاتا ہوں اگر یہ جوان میرے پاس سے گزرے تو میں اس کے باپؑ کے دل پر ایسی ضرب لگاؤں جو وہ کبھی نہ بھولے۔ تھوڑی ہی دیر بعد علی اکبرؑ اس کے پاس سے گزرے، تو اس فاسق نے حسینؑ کے بیٹے کو دھوکہ دے کر ایک مضبوط نیزے سے ایسی ضرب لگائی کہ علی اکبرؑ نہ سنبھل سکے۔ ناچار ہاتھ گھوڑے کی گردن میں ڈال دیئے اور آواز بلند کی **یا ابتاہ ھذا جدی رسول اللہ** ابا جان میں اپنے جد کو دل کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور پانی پی رہا ہوں۔ [1]

امان نامہ رد کر دیا

شب عاشور ہے عباسؑ اباعبداللہ حسینؑ کی خدمت میں بیٹھے ہیں کہ دشمن کا ایک سردار نزدیک آیا اور آواز دی عباس بن علیؑ اور ان کے بھائی کہاں ہیں، میری بات سنیں۔

---

[1] مدرک پشین ج ۱ ص، ۲۰۲ تا ۲۰۵

عباس بن علیؑ نے سنا،لیکن توجہ نہ کی۔حسینؑ نے فرمایا اس کو جواب دو خواہ فاسق ہی ہو۔ عباس اٹھ کر سامنے آئے تو دیکھا شمر بن ذی الجوشن تھا۔شمر ایک طرح سے ماں کی طرف سے عباسؑ کا رشتہ دار تھا،وہ اس طرح کہ دونوں کا ایک ہی قبیلہ ہے۔جب شمر کوفہ سے چلنے لگا تو عباسؑ اور ان کے مادری بھائیوں کے لئے امان نامہ لکھوالایا۔اپنے خیال کے مطابق بڑا کام کرلایا۔

قبل اس کے کہ شمر بات کرتا۔ابوالفضل العباسؑ نے غصہ میں مردانہ وار کہا خدا تجھ پر اور اس شخص پر جس نے یہ امان نامہ تیرے ہاتھ میں دیا،لعنت کرے تو مجھے کیا سمجھتا ہے؟ میرے متعلق کیا سوچتا ہے؟ تو یہ سمجھتا ہے کہ میں ایسا آدمی ہوں جسے اپنی جان کی فکر ہے میں اپنے امام بھائی حسین بن علی علیہ السلام کو یہاں چھوڑ دوں اور خود تیرے پیچھے چل پڑوں؟ وہ گود کہ جس میں ہم جوان ہوئے اور وہ دودھ کہ جو ہم نے پیا،اس نے ہمیں ایسی تربیت نہیں دی۔ [۱]

سقائے کربلا

حضرت عباسؑ بڑے صاحب فہم،شجاع،بلند قامت اور خوبصورت تھے۔اسی لئے انہیں قمر بنی ہاشم کا لقب دیا گیا۔وفا اپنی ماں اور شجاعت اپنے باپ علیؑ سے ورثہ میں پائی۔اسی لئے ابوالفضل عباس کے بارے میں علیؑ نے آرزو کی تھی اور امیر المومنینؑ کی ام البنین سے شادی کی غرض بھی یہی تھی کہ ایک وفا شعار اور شجاع بیٹا پیدا ہو۔

روز عاشورا ابوالفضل عباسؑ امام حسینؑ کی خدمت میں آکر عرض کرتے ہیں برادر جان مجھے بھی اجازت دیجئے کہ میدان میں جاؤں،میرا دل تنگ کر رہا ہے،مزید صبر نہیں کرسکتا۔جلد جان قربان کرنا چاہتا ہوں۔امام فرماتے ہیں اگر میدان میں جانا ہی چاہتے ہو تو اگر ہو سکے تو بچوں کے لئے پانی لے آؤ۔اسی وجہ سے سقائے کربلا کا لقب پایا۔چونکہ تین رات دن سے امامؑ اور آپ کے یار و انصار حتیٰ کہ بچوں تک پر پانی بند تھا۔اگرچہ شب

---

[۱] مدرک پیشین۔ج،۲۔ص ۸۵

عاشور کچھ پانی مہیا ہوا، جس سے اصحاب نے غسل کیا اور اجساد کو صاف ستھرا کیا۔ اب بھی ابو الفضل العباسؑ نے پانی لانے کا اظہار کیا۔ دشمن کے چار ہزار سپاہیوں نے پانی کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ عباس نے تنہا دشمن کی جمعیت پر حملہ کیا۔ فرات کے کنارے پہنچے گھوڑا پانی میں ڈالا جو مشک پاس تھی اسے پانی سے بھر کر کندھے سے لٹکایا۔ ہوا گرم ہے جنگ کر چکے ہیں پانی گھوڑے کے پیٹ تک ہے، تھوڑا سا پانی ہاتھ بڑھا کر چلو میں لیا۔

اٹھایا پانی پینے کو نہیں غلط قیاس ہے صرف یہ دیکھا
میں پی تو سکتا ہوں مگر وفا سے یہ بعید ہے

لوگوں نے دیکھا کہ عباسؑ نے پانی پیئے بغیر گرا دیا۔ کوئی نہیں جانتا کہ عباسؑ نے پانی کیوں نہ پیا؟ لیکن جب کنارے سے باہر آئے تو رجز پڑھا جس سے لوگوں کو پتہ چلا کہ پانی کیوں نہ پیا۔ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔

اے نفس ابو الفضل میں چاہتا ہوں کہ تو حسینؑ کے بعد زندہ نہ رہے۔ حسینؑ موت کا پیالہ پئیں اور خیام کے پاس پیاسے ہوں اور تو پانی پی رہا ہو؟ پھر وفا و مردانگی کہاں گئی، بھائی چارہ و ہمدردی کہاں گئی۔ کیا حسینؑ تیرا امام نہیں؟ کیا تو ان کا ماموم نہیں؟ کیا تو ان کے تابع نہیں؟ ہیہات! میرا دین، میری وفا مجھے اس بات کی بالکل اجازت نہیں دیتے۔ واپسی کا ارادہ کیا، لیکن واپسی پر اپنا راستہ بدل لیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔

آواز دی

واللہ ان قطعتمو ایمینی
انی احامی ابدا عن دینی
وعن امام الصادق الیقینی

خدا کی قسم! اگر میرا دایاں ہاتھ کاٹتے ہو تو بھی میں حسینؑ کے دامن سے ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ رجز اس طرح تبدیل کیا۔

یا نفس الا تخشیٰ من الکفار

وابشری رحمة الجبار

قدقطعوا بیغیھم یساری

اس رجز سے سمجھا گیا کہ آپؑ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اپنی مہارت و چابک دستی سے مشک کو گھمایا اوا پنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا کہ اچانک ایک آہنی گرز پیشانی مبارک پر لگا۔[1]

چار شہدا کی ماں

ایک دن علیؑ نے اپنے بھائی عقیل کو ہدایت کی کہ ان کے لئے ایک بی بی منتخب کریں۔ جو کسی شجاع خاندان سے ہو، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے ایک شجاع بیٹا ہو۔ عقیل نے کلاب خاندان کی ام البنین کو منتخب کیا اوعرض کیا یہ ایسی عورت ہے جیسی آپ چاہتے ہیں۔

علی سے شادی کے بعد ام البنین سے چار بیٹے پیدا ہوئے، جن میں سب سے زیادہ مقدس ابو الفضل العباس ہیں (یہاں استاد شہید فرماتے ہیں یہ تاریخ میں نہیں کہ علی نے کہا ہو کہ میرا ہدف ومقصود کیا ہے) یہ چاروں بھائی کربلا میں ابا عبداللہ کے ہمراہ تھے۔ روز عاشور جب بنی ہاشم کی نبرد آزمائی کی باری آئی تو ابا الفضل العباس جو سب سے بڑے بھائی تھے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ تم مجھ سے پہلے میدان میں جاؤ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ بھائیوں کی شہادت کا اجر پاؤں۔ انہوں نے کہا آپؑ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میدان میں گئے اور تینوں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد ابا الفضل العباسؑ بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ام البنین کربلا میں نہ تھیں کہ بیٹوں کی شہادت کا مشاہدہ کرتیں۔ آپ کو مدینہ میں چاروں بیٹوں کی شہادت کی اطلاع ملی۔

ام البنین اپنے بیٹوں کے سوگ میں گریہ ونوحہ کرتیں۔ کبھی عراق کی راہ پر جا بیٹھتیں اور کبھی بقیع میں جاتیں اور پرسوز مرثیہ پڑھتیں۔ عورتیں ان کے گرد جمع ہوتی

---

[1] حماسہ حسینی ج ۱۔ ص ۵۰ تا ۵۵

تھیں۔مروان بن حکم گورنر مدینہ اگرچہ اہل بیتؑ کا دشمن تھا،لیکن کبھی آپ کے نوحہ جات کو سنتا آپ فرماتیں

کانت بنوں لی ادع بھم

والیوم اصبحت ولامن بنین

اے عورتو!میں تم سے ایک مطالبہ کرتی ہوں وہ یہ ہے کہ مجھے اس کے بعدام البنین کے لقب سے نہ بلایا کرو کیونکہ ام البنین یعنی بیٹوں کی ماں،شیر بیٹوں کی ماں۔جب مجھے اس نام سے بلاتی ہوتو مجھے اپنے بہادر بیٹے یاد آجاتے ہیں اورمیرے دل کوآگ لگ جاتی ہے۔

کبھی ام البنین تھی لیکن اب ام البنین نہیں ہوں۔آپ کا ایک مرثیہ خاص طور پرابا الفضل العباس کے بارے میں ہے۔

یامن رای العباس کر علی جماھیر النقد

و وراہ من ابناء حیر کل لیث ذی لبد

انبئت ان ابنی اصیب براسہ مقطوع ید

ویلی علی شبلی امال براسہ ضرب الحمد

لوکان علی یسفك یدیك لمانی منك احد

مجھے ایک بہت جاں گداز خبر دی گئی ہے میں نہیں جانتی کہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ پہلے تیرے بیٹے کے ہاتھ کاٹے گئے،اس کے بعد تیرے بیٹے کے جسم کے ساتھ ہاتھ نہیں تھے ایک لعین آیا اوراس کے سر پر لوہے کا گرز مارا۔مجھ پر وائے مجھ پر وائے کہ کہتے ہیں میرے شیر بیٹے کے سر پر گرز مارا گیا۔

اس کے بعد کہتی ہیں کہ اے میری جان عباس اے میرے پیارے بیٹے میں جانتی ہوں کہ اگر تیرے ہاتھ تیرے جسم کے ساتھ ہوتے تو کسی آدمی کو تیرے نزدیک آنے کی جرات نہ ہوتی۔ [1]

---

[1] حماسہ حسینی۔ج،۲ ص۸۵ تا ۸۸

کربلا کا کم سن جانباز

امام مجتبیٰ علیہ السلام کا ایک بیٹا عبداللہ تھا۔ بچہ ابھی پیدا نہیں ہوا تھا یا بقولے شیر خوار تھا کہ امام حسن مجتبیٰ شہید ہو گئے۔ اس بچے کی سر پرستی اس کے چچا حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ نے اپنے ذمے لی۔ امام حسینؑ باپ کی طرح اس پر مہربان تھے اور یہ بچہ بھی آپ سے بے حد محبت کرتا تھا واقعہ کربلا کے وقت اس کی عمر دس سال تھی۔

محرم ۶۱ ہجری آ گیا۔ کربلا کا حادثہ پیش آیا۔ عاشور کا دن ہوا، ابا عبداللہ الحسینؑ نے ہدایت کر رکھی تھی کہ کوئی بھی خیمے سے باہر نہ آئے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ آخری وقت عمر وسعد حسینؑ کے نزدیک آیا، جب آقا قتل گاہ میں پڑے تھے اور جسم میں کوئی طاقت نہ تھی۔ عبداللہ نے خیمے سے قتل گاہ کی طرف دیکھا، حتیٰ کہ چچا کو اس حال میں دیکھا خیمے سے باہر دوڑا۔ زینب نے اسے روکا لیکن چونکہ لڑکا طاقتور تھا اپنے آپ کو پھوپھی زینب کے ہاتھوں سے چھڑا لیا اور کہا خدا کی قسم! میں اپنے چچا سے جدا نہ ہوں گا۔ دوڑا اور اپنے آپ کو امام حسینؑ کی آغوش میں گرا دیا۔ سبحان اللہ کتنا صبر اور دل رکھتے تھے۔

ابا عبداللہ نے بچے کو بغل میں لے لیا، اسی حالت میں ظالم آیا کہ آپ کو تلوار مارے۔ اس وقت بچے نے کہا میرے چچا کو مارنا چاہتا ہے؟ جب اس نے تلوار ماری تو بچے نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو اٹھایا تا کہ چچا کو بچائے۔ تلوار گری اور اس کمسن بچے کا ہاتھ جسم سے جدا ہو گیا۔ اس نے فریاد کی اے چچا مجھے بچایئے۔ حسینؑ نے اسے پھر گود میں لیا اور فرمایا، بھتیجے صبر کر۔ بہت جلد اپنے جد اور باپ سے ملاقات کرے گا۔ [۱]

بلا مقابل

اصحاب حسین میں سے ایک عابس بن ابی شبیب شاکری ہیں یہ آدمی بڑا بہادر تھا۔ حسینؑ کی محبت اس کی روح میں تھی جب روز عاشور میدان میں آیا۔ میدان میں کھڑے ہو کر

---

[۱] گفتار ھای معنوی۔ص ۲۶۶

للکارا، لیکن دشمن کی فوج سے کسی نے جرات نہ کی کہ اس سے جنگ کرے۔ عابس بے چین ہو گیا، واپس آیا۔ خود سر سے اتارا، زرہ بدن سے اتار دی، پاؤں سے جوتا بھی اتارا اور خالی ہاتھ میدان میں آیا اور کہا اب آؤ اور عابس سے جنگ کرو۔ پھر بھی کسی نے جرات نہ کی۔ پھر بڑی بزدلی سے پتھر اور ٹوٹی ہوئی تلواریں اس بزرگ پر پھینکیں اور اسے شہید کر دیا۔ [۱]

میرا آخری بیٹا

عبداللہ بن عمیر کلبی ایسے آدمیوں میں سے ایک ہے کہ بہت بہادر و جری تھا اور ابھی ابھی شادی ہوئی تھی۔ کربلا میں اس کی بیوی اور ماں ہمراہ تھیں۔ روز عاشورا جب میدان میں جانا چاہا تو بیوی نے اس کو روکتے ہوئے کہا، کہاں جاتے ہو؟ مجھے کس کے حوالے کرتے ہو؟ فوراً اس کی ماں آگے بڑھی اور کہا بیٹے! بیوی کی بات سنتے ہو؟ آج تیرے امتحان کا دن ہے۔ اگر آج حسینؑ پر قربان نہیں ہوئے تو میں تجھے دودھ نہ بخشوں گی۔ عبداللہ نے ماں کا حکم مانا، میدان میں گیا جنگ کی اور شہید ہوا۔

اس کی ماں نے یہ واقعہ دیکھ کر فوراً خیمے کی چوب اٹھائی اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ ابا عبداللہ حسین نے اسے آواز دی، اے خاتون واپس آجاؤ کہ خدا نے عورتوں پر جہاد کو ساقط کیا ہے۔ بڑھیا نے امامؑ کے حکم کی اطاعت کی، لیکن دشمن نے رذالت کی۔ اس کے بیٹے کا سر بدن سے جدا کر کے اس کی طرف پھینکا۔ بوڑھی ماں نے بیٹے کا سر اٹھایا، سینے سے لگایا، چوما اور مرحبا کہا شاباش میرے بیٹے! اب میں تجھ سے راضی ہو گئی اور تجھے دودھ بخش دیا۔ اس کے بعد اسے دشمن کی طرف پھینک دیا اور کہا ہم جو چیز خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے۔

ابا عبداللہ الحسینؑ کے اصحاب نے روز عاشور بڑی بہادری اور وفاداری پیش کی، مردوں نے بھی اور عورتوں نے بھی۔ واقعی تاریخ بشریت میں بے مثال مثالیں قائم کیں۔ اگر یہ مثالیں یورپی تاریخ میں ہوتیں تو پتہ چلتا کہ دنیا میں ان سے کیا کیا بناتے۔ [۲]

---

[۱] گفتار ھای معنوی ص ۲۴۳

[۲] گفتار ھای معنوی ص ۲۴۳

بہی خواہان عثمان سے حسین کا صحابی ہونا

اصحاب حسین میں سے ایک زہیر بن القین ہیں وہ پہلے عثمان کے پیروکار تھے، یعنی ان لوگوں میں سے تھے جو اعتقاد رکھتے تھے کہ عثمان مظلوم مارے گئے ہیں اور العیاذ باللہ علیؑ کا اس فتنہ میں دخل تھا۔ اسی وجہ سے علیؑ سے اچھا تعلق نہیں رکھتے تھے۔

جب امام حسینؑ مکہ سے عراق کی جانب جا رہے تھے تو زہیر بھی آپؑ کے ہمراہ ہو گئے۔ لیکن سارے راستے میں یہی سوچتے رہے کہ حسینؑ کے روبرو ہوں یا نہ ہوں۔ دراصل وہ ایسے شخص تھے جن کا دل مومن تھا وہ یہ جانتے تھے اور امت پر سرداری کا حق رکھتے ہیں اسی وجہ سے ڈرتے تھے کہ آپ کے روبرو ہوتے تو ممکن ہے کہ آپؑ ان سے مطالبہ کرتے اور وہ انکار نہ کر سکتے۔ کیونکہ یہ کام غلط اور ناپسند ہے۔ اتفاقاً ایک منزل پر راستہ میں امامؑ ایک کنویں پر اترے ہوئے تھے۔ امامؑ نے ایک آدمی زہیر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ جب حسین کا ایلچی زہیر کے خیمہ میں پہنچا تو اس وقت زہیر ایک آدمی کے ساتھ ناشتہ میں مشغول تھے۔

امام حسینؑ کے ایلچی نے زہیر کی طرف رخ کیا اور کہا **یا زهیر اجب الحسین** یعنی اے زہیر حسینؑ کی دعوت قبول کر۔ جب زہیر نے بات سنی تو ان کا چہرہ فق ہو گیا کہا جو میں نہیں چاہتا تھا ہو گیا۔ لکھتے ہیں فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، ان کا ہاتھ دسترخوان پر ہی رک گیا۔ ساتھی اور مددگاروں کی بھی یہی حالت ہوگئی۔ نہ یہ کہہ سکتے تھے کہ آتا ہوں نہ یہ کہہ سکتے تھے کہ میں نہیں آتا۔ ان کی بیوی صالحہ اور مومنہ تھیں، اس قصہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اس نے دیکھا کہ زہیر نے ابا عبداللہ کے ایلچی کے سامنے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اس لئے سامنے آ گئیں اور ایک عجیب ملامت آمیز آواز دی۔ زہیر تجھے شرم نہیں آتی ؟ پیغمبر کے بیٹے زہراؑ کے لخت جگر نے تجھے بلایا ہے تجھے فخر سے جانا چاہئے تو تردد کرتا ہے۔ اٹھ! زہیر اٹھے اور حسینؑ کے خیمے کی طرف چل پڑے۔ لیکن بڑی مشکل سے قدم اٹھتا تھا۔ تاریخ نے نہیں لکھا کہ اس وقت ابا عبداللہ حسینؑ نے زہیر کے ساتھ جو ملاقات کی ان دونوں میں کیا باتیں ہوئی۔

لیکن جو کچھ مسلم ہے وہ یہ ہے کہ جب زہیر واپس مڑے تو ان کا چہرہ جانے والے چہرے سے مختلف تھا۔ جب گئے تھے تو ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔لیکن جب لوٹے تو ان کا چہرہ خوش تھا۔حسینؑ نے اس کے وجود میں کیا انقلاب پیدا کر دیا؟ ان کو کیا چیز یاد دلائی کہ کسی انتظار کے بغیر زہیر وصیت کر رہے تھے۔میرا مال اور میری دولت کو اس طرح کرنا، میرے بچوں کو اس طرح کرنا، میری بیوی کو باپ کے گھر پہنچا دینا وغیرہ۔

اپنے آپ کو تیار کیا اور کہا میں جاتا ہوں۔ سب نے سمجھا کہ اب زہیر کا کام تمام ہوا۔ کہتے ہیں کہ جب حسین کے ساتھ ملنے کے لئے جانا چاہا تو ان کی بیوی نے دامن پکڑ لیا اور کہا۔

زہیر تو گیا اور ایک بلند مقام پر فائز ہوا، کیونکہ تیری شفاعت حسین کریں گے۔ آج میں تیرا دامن پکڑتی ہوں کہ قیامت کے دن حسینؑ کے جد حسینؑ کی ماں کے پاس میری بھی سفارش کرنا۔

زہیر، حسینؑ کے ہمراہ کربلا میں گئے اور ہراول دستہ میں شامل ہوئے۔ بیوی بڑی فکرمند تھیں کہ واقعہ کہاں ختم ہوتا ہے۔حتیٰ کہ انہیں خبر ملی کہ حسینؑ اور آپؑ کے سارے اصحاب شہید ہو گئے اور زہیر بھی شہید کے درجہ پر فائز ہوئے۔انہیں فکر ہوئی کہ دوسروں کے بدنوں پر کفن ہوں گے۔لیکن زہیر بے کفن ہوں گے۔ پس ایک غلام کو کفن دیا کہ زہیر کو جا کر پہنائے۔لیکن جب وہ غلام قتل گاہ میں آیا تو ایک عجب حالت دیکھی، جس سے شرم سے پانی پانی ہو گیا کہ زہیر کو کیسے کفن دے۔ کیونکہ اس نے دیکھا کہ آقا و مولا حسینؑ کا بدن بے گور و کفن ریت پر پڑا تھا۔[1]

جرأت کا مظاہرہ

گیارہ محرم کو ابن زیاد کے جلاد لشکری، حسینؑ کے اہل بیتؑ کو کربلا سے کوفہ و شام لے جانے کے لئے بے کجاوہ اونٹ لائے تاکہ حسین کے خاندان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

[1] گفتارھای معنوی ۱۶۰ تا ۱۶۲

عزیزوں کو ان پر سوار کریں۔ اس دن امام زین العابدینؑ شدید بیمار تھے، اتنے بیمار کہ حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے عصا کی مدد سے حرکت کر رہے تھے کچھ ایرانی آپ کو بیمار کے نام سے پکارتے ہیں جو درست نہیں۔ اخبار و روایات میں ہے کہ آپؑ صرف عاشور کے دن بیمار تھے۔ اس حالت میں آپؑ کو قید کر کے لے چلے۔ آپؑ کو ایسے اونٹ پر سوار کیا گیا جس پر صرف لکڑی کا پالان تھا اور اس پر کوئی موٹا کپڑا نہ رکھا گیا تھا۔ اس پر آپؑ کو سوار کیا گیا۔ کوفیوں نے دیکھا کہ امامؑ بیمار ہیں، شاید اونٹ پر اپنے آپ کو سنبھال نہ سکیں۔ اس لئے آپؑ کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیئے۔ گلے میں طوق ڈالا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کیا۔ ذہنی اور جسمانی پریشانیاں اور اذیتیں دے دے کر اہل بیت حسینؑ کو کوفہ پہنچایا گیا۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا۔ بی بی کا قد بلند تھا ان کی کنیزیں ارد گرد جمع تھیں (یہاں کنیز سے مراد مروجہ اصطلاحی کنیزیں نہیں، جناب زینبؑ کے ہمراہ اصحاب حسینؑ کی عورتیں تھیں۔ چونکہ وہ آپ کی سیادت کی قائل تھیں اس لئے اپنے آپ کو جناب زینبؑ کی کنیزیں کہتی تھیں۔) سیدہ زینبؑ ایک فاتح کے انداز میں ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوئیں، اسی لئے اسے سلام نہ کیا۔

ابن زیاد بے اعتنائی پر بے حد بپھرا اور باوجودیکہ سیدہ زینبؑ کو پہچان لیا تھا پھر بھی پوچھا یہ مغرور اور متکبر عورت کون ہے؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ دوبارہ پوچھا، چاہتا تھا ان عورتوں میں سے کوئی جواب دے۔ دوسری اور تیسری بار پوچھا آخر کار ایک بی بی نے فرمایا **ھذہ زینب بن علی ابن ابی طالب** یہ علیؑ کی بیٹی زینبؑ ہے۔

ابن زیاد نے کہا میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے تم کو رسوا کیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کیا۔

سیدہ زینبؑ نے کمال جرأت و دلیری سے کہا **الحمد اللہ الذی اکرمنا بالشھادۃ** خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں شہادت سے مفتخر کیا میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں

کہ یہ افتخار کا تاج میرے بھائی کے سر پر رکھا، میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ ہمیں خاندان نبوت وطہارت میں جگہ دی۔اس کے بعد فرمایا رسوائی فاسقوں کے لئے ہے۔ہم نے عمر بھر جھوٹ نہیں بولا۔جھوٹ بھی فاجروں کا مال ہے۔فاسق و فاجر ہمارے مخالف ہیں۔ [1]

رسوائی تیرے لئے ہے جھوٹا بھی تو ہی ہے اس کے بعد ایک ایسا جملہ کہا کہ ابن زیاد کے جگر کو آگ لگ گئی۔فرمایا یا بن **مرجانہ** اومرجانہ کے بیٹے! یہ وہی بات تھی جو ابن زیاد نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے کہے کیونکہ مرجانہ ابن زیاد کی مشہور بدکار ماں کا نام تھا۔ اور جناب زینبؑ کا یہ خطاب اس طرف کنایہ تھا کہ تو اس بدکار عورت کا بیٹا ہے اس لئے مرجانہ کے بیٹے کے لئے رسوائی ہے ابن زیاد اس خطاب سے اتنا برا فروختہ ہوا کہ حکم دیا، جلاد کو بلاؤ کہ اس عورت کی گردن ماردے۔

ابن زیاد کے دربار میں ایک خارجی موجود تھا جو اگرچہ علیؑ واولاد علیؑ کا مخالف تھا لیکن اس نے ابن زیاد کی اس بات پر اعتراض کیا اور کہا اے امیر! کیا تو اس طرف دھیان نہیں دیتا کہ تو ایک ایسی عورت سے گفتگو کر رہا ہے جس نے لاتعداد صدمے دیکھے ہیں۔ ایسی عورت کہ جس کے بھائی مارے گئے اس کے عزیز قتل ہوئے تو ایسی عورت سے باتیں کر رہا ہے۔ابن زیاد نے یہ سنا تو سیدہ زینبؑ کے قتل سے رک گیا۔

اس کے بعد علی ابن الحسینؑ کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔فرعون کی طرح گرجا من انت؟ تو کون ہے؟

فرمایا **انا علی بن الحسینؑ** میں علی بن الحسینؑ ہوں۔

کہا کیا علی بن الحسینؑ کو خدا نے کربلا میں قتل نہیں کیا؟ فرمایا وہ میرا بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علیؑ تھا جسے کربلا میں لوگوں نے شہید کیا۔

ابن زیاد نے کہا نہیں خدا نے مارا۔فرمایا سب لوگوں کی روح قبض کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے۔لیکن قتل کرنا لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

---

[1] حماسہ حسینی۔ج،۲۔۱۷۳ تا ۱۷۷

کہا علیؑ اور علیؑ یعنی کتنے علیؑ؟ تیرے باپ نے اپنے سارے بیٹوں کا نام علی رکھا، کیا کوئی اور نام نہ تھا؟

فرمایا میرے والد اپنے والد علی ابن ابی طالبؑ سے اتنی ارادت وعقیدت رکھتے تھے کہ اپنے سارے بیٹوں کے نام انہی کے نام پر رکھنا چاہتے تھے (صرف ایک تو ہے جو اپنے باپ زیاد کا نام لینا ننگ و عار سمجھتا ہے)۔

ابن زیاد یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ ایک قیدی اتنی جرات سے اس کے ساتھ بات کرے۔ غصے میں آ گیا اور کہا تم ابھی زندہ ہو اتنی جرات رکھتے ہو۔ میرے سامنے اس قسم کی باتیں کرتے ہو جلاد آ اور اس کی گردن اڑا دے۔ یہ سن کر سیدہ زینبؑ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ علی ابن الحسینؑ کو آغوش میں لیا اور کہا خدا کی قسم! تو اس کی گردن نہیں اتار سکتا، جب تک پہلے زینبؑ کی گردن نہ اتارے۔ ابن زیاد نے کچھ دیر دونوں کو دیکھا اور پھر کہا خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ اگر ہم چاہیں تو اس جوان کو قتل کر دیں، پہلے اس عورت کو قتل کرنا چاہیئے۔ پس مجبوراً امام زین العابدین کے قتل سے بھی ہاتھ اٹھا لیا۔ [1]

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابا عبداللہؑ الحسینؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے اہل بیتؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ آپؑ کے پس ماندگان شکست خوردہ نہ تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد کام کو ختم نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کی شہادت کو رنگ بخشنا، زندہ رکھا اور قائم رکھا۔ یہ قافلہ جہاں بھی پہنچا دعوت اسلام دیتا رہا۔

کربلا کے واقعہ میں رنگ دونوں نے بھرا
ابتدا شبیر نے کی انتہا زینبؑ نے کی

نابینا مجاہد

ابا عبداللہ الحسینؑ کے شہید ہونے کی خبر دینے کے لئے ابن زیاد نے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں جمع کیا، تا کہ انہیں واقعہ بتائے۔ خود اس نے مذہبی اور مقدس حلیہ بنا

---

[1] حماسہ حسینی۔ جلد ۱، ۳۱۶ تا ۳۱۸

رکھا تھا۔ جب بات کرنی چاہی تو کہا **الحمد لله الذی نصیر امیر المؤمنین وحزبه وخذه الحسین بن علی الکذاب بن الکذاب** (نعوذ باللہ) میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے حقیقت کو کامیاب کیا اور ایک جھوٹے اور جھوٹے کے بیٹے (نعوذ باللہ) کی زندگی ختم کی جو لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا تھا۔

ابن زیاد نے لوگوں سے بھی خدا کا شکر ادا کرانا چاہا، جو شاید سینکڑوں لوگوں نے کیا۔ عبداللہ عقیف نامی اندھا کھڑا ہو گیا۔ جس کا دل بیدار تھا۔ اس کی ایک آنکھ جنگ جمل میں اور دوسری صفین میں حضرت علیؑ کی ہم رکابی میں ضائع ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے اب جہاد میں حصہ نہیں لے سکتا تھا اور غالباً صرف عبادت میں زندگی گزار رہا تھا۔ اسی وجہ سے اس وقت مسجد کوفہ میں تھا، چونکہ حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ سے ارادت تھی۔ اس وجہ سے جب یہ جملہ سنا تو اٹھا اور کہا تو جھوٹا ہے۔ اور تیرا باپ جھوٹا ہے اسے فوراً پکڑ لیا گیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ لیکن آخر کار دشمن کے چہرے سے یہ ریا کاری اور دھوکے کا پردہ چاک ہو گیا۔ [1]

ولولہ انگیز خطاب

جمعہ کے دن دمشق شہر میں نماز جمعہ کا وقت ہے۔ زید بن معاویہ نے بھی اس میں شرکت کی۔ نماز شروع ہونے سے پہلے درباری خطیب نے تقریر کی اور جو کچھ اسے ہدایت کی گئی تھی بے کم و کاست کیا۔ یزید و معاویہ کی بڑی عظمت بیان کی۔ دنیا کی جو بھی صفت ہے وہ یزید سے منسوب کی اور اس کے بعد علیؑ پر سب کیا اس کے بعد امام حسینؑ کو دین سے خارج (العیاذ باللہ) کہا اور۔

اچانک امام زین العابدینؑ نے منبر کے پائے کے پاس سے للکار کر فرمایا۔

ایها اخلطیبا اشتریت مرضات المخلوق،بسخط الخالق۔

اے خطیب! تو نے ایک مخلوق کی رضا کے لئے خدا کا غضب خریدا۔ اس کے

---

[1] حماسہ حسینی۔ ج،۱۔ص ۳۱۴

بعد یزید سے فرمایا:۔

کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں ان لکڑیوں پر جاؤں (غور کریں حضرتؑ نے منبر نہیں کہا تین پہلوؤں والی لکڑیاں ہیں جن پر اس قسم کا خطیب چڑھتا ہے اور اس قسم کی باتیں کرتا ہے۔ البتہ اہل بیتؑ جہاں بھی ہوں عظیم ہیں مثلاً اگر انہیں بھرے دربار میں بھی لے جایا جائے تو امیر المومنین یا خلیفہ نہیں کہتے) اور دو باتیں کرلوں۔

یزید نے اجازت نہ دی، جو لوگ مجلس میں بیٹھے تھے چونکہ علی بن الحسینؑ حجازی تھے اور اہل حجاز اچھے مقرر ہوتے ہیں اس لئے چاہتے تھے کہ ان کی تقریر سنیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے یزید سے اجازت دینے کا تقاضا کیا۔

یزید نے پھر بھی قبول نہ کیا، حتیٰ کہ اس کا بیٹا آیا اور کہا ابا جان! اجازت دیں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ حجازی جوان کس طرح تقریر کرتا ہے۔ یزید نے کہا میں ان کی تقریر سے ڈرتا ہوں۔ لوگوں نے اتنا زور دیا کہ اجازت دینے پر مجبور ہوگیا۔

امام زین العالدین منبر پر بیٹھے اور تقریر کا آغاز کیا۔

ایک قیدی اور اس سے بڑھ کر بیمار، تھکاوٹ، طوق وزنجیر میں جکڑا ہوا۔ مجلس میں ایک ایسا جوش وولولہ پیدا کر دیا کہ یزید کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سوچ رہا تھا کہ ابھی لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور مجھے مار دیں گے۔ اس لئے کوئی حیلہ کرنا چاہا۔ ظہر کا وقت قریب تھا موذن کو حکم دیا کہ اس طرح کہہ۔ نماز کو دیر ہو رہی ہے۔ جب موذن کی آواز بلند ہوئی تو امام زین العابدینؑ خاموش ہو گئے۔

جب موذن نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تو امامؑ نے الفاظ دوہرائے

موذن نے کہا اشھد ان لاالہ الااللہ امام نے یہ الفاظ بھی دوہرائے۔

حتیٰ کہ موذن نے اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو امام زین العابدینؑ نے آواز دی اے موذن خاموش اس کے بعد یزید کی طرف رخ کر کے فرمایا یزید یہ جو نام لیا جا رہا ہے اور جس کی رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی دے رہے ہو یہ کون ہیں؟ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تیرے جد ہیں یا میرے؟

لوگو! تم نے جو ہمیں قید کیا ہے غور کرو ہم کون ہیں؟ میرے باپ کو شہید کیا۔ وہ کون تھے؟ یہ کون ہے جس کی رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تم شہادت دیتے ہو۔

اس وقت تک لوگ بالکل نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے کیا کیا۔ کس کو مارا۔ لیکن اب حالات تبدیل ہو گئے۔ یزید مجبوراً اپنا طریقہ تبدیل کرنے لگا۔ اہل بیتؑ کو قید خانے سے نکالا۔ حکم دیا کہ انہیں عزت و احترام سے شام سے مدینہ پہنچا دیا جائے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

اسکا یہ مطلب نہیں کہ یزید نیک ہو گیا تھا یا اس کے کردار میں کوئی فرق آ گیا تھا صرف دکھاوا تھا۔ اپنی حکومت کے متزلزل ہونے کے خوف سے زیاد کے بیٹے پر لعنت کی اور سارا گناہ اسکی گردن پر ڈال دیا۔ کربلا کے جانکاہ واقعہ میں اپنے دخل سے انکار کرتا تھا [1]

شہدا سے پیوند

جابر بن عبداللہ انصاری پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوان صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جنگ خندق میں تقریباً پندرہ سال کے تنومند جوان تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً بائیس تئیس سال کے تھے۔ اس طرح ۶۱ ہجری یعنی ابا عبداللہ الحسینؑ کے قیام کے وقت ستر سے کچھ اوپر سال کے تھے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ایک بزرگ محدث عطیہ عوفی کے ساتھ کربلا آئے۔

قبل اس کے کہ حسینؑ کی قبر کی تلاش میں جاتے فرات کی طرف گئے، غسل زیارت کیا اور سعد (خوشبو دار گھاس جس کو خشک کر کے پیس کر پوڈر بنا کر بطور عطر و خوشبو استعمال کرتے تھے۔) سے اپنے آپ کو معطر کیا۔ عطیہ کہتا ہے کہ جب جابر فرات سے باہر آئے تو آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور ہر قدم پر ذکر الٰہی کر رہے تھے (جابر امیر المومنین علی

---

[1] حماسہ حسینی۔ ج ۱، ص ۱۹۰ تا ۱۹۳۔

علیہ السلام اور خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوستوں میں تھے۔ تقریباً بارہ سال اباعبداللہ سے بڑے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے حد محبوب شمار ہوتے تھے)۔

الغرض آہستہ آہستہ آئے اور حسینؑ بن علی سید الشہداؑ کی تربت اطہر پر پہنچے۔ اس دوران دو یا تین بار آواز دی میرے دوست یا حسینؑ میرے حبیب حسینؑ میری جان سے عزیز! پھر کہا حبیب لا یجیب حبیبہ دوست دوست کو کیوں جواب نہیں دیتا؟ میں آپؑ کا دوست جابر ہوں۔ تمہارا پرانا دوست، تمہارا بوڑھا غلام، مجھے جواب کیوں نہیں دیتے ہو؟

میرے پیارے حسینؑ تم حق رکھتے ہو کہ دوست کو جواب نہ دو، اپنے پرانے غلام کو جواب نہیں دیتے۔ میں نہیں جانتا کہ تمہاریؑ گردن کی رگوں سے کیا کیا گیا۔ میں جانتا ہوں کہ آپؑ کا سر اقدس بدن سے جدا ہے۔

یہ باتیں کہتے کہتے گرے اور بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو اپنا سر دائیں بائیں گھماتے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ چشم باطن سے دیکھتے تھے اور کہہ رہے تھے۔

اسلام علیکم ایتھا الارواح التی بفنا الحسین میرا ان مردوں پر سلام کہ جنہوں نے اپنی روح حسینؑ پر قربان کی۔ اس کے بعد ایک جملہ کہا جو شہدا سے رشتہ کا پتہ دیتا ہے۔ کیونکہ جب کہا کہ میں اس طرح شہادت دیتا ہوں اس میں یہ اضافہ کیا میں شہادت دیتا ہوں کہ ہم بھی آپؑ کے ساتھ اس کام میں شریک ہوں۔

عطیہ نے تعجب کیا کہ کس طرح؟ ہم ان کے ساتھ ان کے کام میں کس طرح شریک ہوں؟

جابر سے کہا میں تیرے اس جملے کے معنی نہیں سمجھا، ہم نے تو جہاد میں حصہ نہیں لیا۔ تلوار نہ اٹھائی، پھر کیسے شریک ہوں گے؟

جابر نے جواب دیا میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا!۔

جو آدمی تہہ دل شہدا سے محبت رکھتا ہو اس کی روح ان ہی کے ساتھ ہو گی۔ جو وہ

شہدا کے ساتھ جہاد میں شریک ہوگا۔ اگر چہ میں نے جہاد میں شرکت نہیں کی۔ لیکن ان کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔ بڑھاپے اور اندھے پن کی وجہ سے جہاد مجھ سے ساقط تھا۔ لیکن میری روح حسینؑ کی روح کے ساتھ تھی تو میں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ میں جہاد و شہادت میں ان کے ساتھ شریک تھا۔ [۱]

[۱] احیاء تفکر اسلامی۔ ص، ۲۹، ۲۸۔